کتاب ہذا میں جن کا ذکر خیر ہے
کرتے رہنا ان کے لئے دعائے خیر ہے
اہل لاجپور رکھے ان کی خدمات یاد
اسی مقصد سے لکھے گئے ہیں یہ چند اوراق

(سلام لاجپوری)

مدرسہ اسلامیہ لاجپور کے دس اساتذہ کرام کا کچھ ذکر خیر

مرتب

عبدالسلام ابراہیم مارویا لاجپوری
خادم مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب۔مدرسہ اسلامیہ، لاجپور کے دس اساتذۂ کرام کا کچھ ذکر خیر

مصنف۔عبدالسلام ابراہیم مارویا، لاجپوری

مقیم۔اسٹامفورڈ ہل، لندن

صفحات۔۳۲۶

تعداد۔۵۰۰

قیمت۔مطالعہ، عمل ودعا

طباعت۔

ناشر۔مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلّہ، لاجپور

کتاب ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلّہ، لاجپور، سورت

(۲) مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ، سورت

(۳) مولانا عبداللہ لاجپوری، موبائل:9898926717

(۴) صالح کتاب سینٹر، نوساری، موبائل:9824741280

(۵) عبدالسلام لاجپوری، لندن، موبائل:07877937731

فضیلت ہے تو صرف اہل علم کو ہیں

علامہ ابوعمرو بن عبدالبر مالکیؒ نے حضرت علیؓ کے یہ اشعار نقل کئے ہیں جس سے علم کی اہمیت اور فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔

الناس من جهت التمثيل اكفاء

ابوهم آدم والام حواء

نفس كنفس و ارواح مشاكلة

و اعظم خلقت فيهم و اعضاء

ماالفضل الا لاهل العلم انهم

على الهدى لمن استهدى ادلاء

ترجمہ۔صورت کے لحاظ سے تمام آدمی یکساں ہیں، باپ آدم اور ماں حواء ہیں، سب میں ایک ہی قسم کی جان ہے، روحیں بھی مشابہ ہیں، سب میں ہڈیاں ہیں اور اعضاء ہیں، ہاں! فضیلت ہے تو صرف اہل علم کو ہے وہی طالبان ہدایت کے راہ نما ہیں۔

(۵) حضرت بھائی میاں بھائیؒ

جہالت سے ہمارا کوئی ناتا نہیں ہے
علم کے سوا ہمیں تو کچھ آتا نہیں ہے
حصول علم میں جو شرم سے کام لے
سلام اسے علم کبھی آتا نہیں ہے

(سلام لاجپوری)

علم ایک روشنی اور نور ہے
ہوتی اس سے جہالت دور ہے
مومن کو ہوتی علم سے
سلام محبت بھر پور ہے

(سلام لاجپوری)

علم کی قدر کیجئے
اس کی خاطر سفر کیجئے
آئے اس راہ میں گر دشواریاں
تو گھبرائیے مت ہمت رکھئے صبر کیجئے

(سلام لاجپوری)

ایسا تعلق جو کبھی سابقہ نہیں ہوسکتا

تدریس دنیا میں پیشہ ہی ایسا ہے جو کہ مسائل کے حل کے لئے ہے، دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ جہالت، لاعلمی اور نہ جاننا ہے، استاذ ہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے اس کا حل کیا جاتا ہے، استاذ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ دنیا کا ہر شعبہ سابقہ ہوسکتا ہے، میاں بیوی کا تعلق کتنا قرب ہے لیکن طلاق کے بعد اس کو بھی سابقہ شوہر یا سابقہ بیوی کہا جاتا ہے، لیکن کوئی بھی شخص اپنے استاذ کے ساتھ سابقہ کا لفظ نہیں استعمال کرسکتا کہ یہ میرے سابقہ استاذ تھے۔

کتاب میں کیا ہے

کتاب ہذا میں اولاً مکاتب کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں مختلف مضامین پیش کئے گئے ہیں، اور مدرسہ اسلامیہ لاجپور کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، بعدہ منتظمین ومتولیان مدارس و مکاتب اور اساتذۂ کرام نیز والدین اور سر پرستوں کو کچھ ضروری نصائح ہیں، اور کتاب کی اشاعت کا خرچہ جو تنظیم برداشت کر رہی ہے یعنی لاجپور مسلم سوسائٹی یو، کے کا مختصر تعارف اور اس کی خدمات کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے، نیز مدرسہ اسلامیہ لاجپور کے دس اساتذۂ کرام جو اب ہمارے درمیان نہیں ہے اللہ تعالی کو پیارے ہو چکے ہیں ان کا مختصراً ذکر خیر موجود ہے۔

یہ بات یادرہنا چاہئے کہ مکاتب ایمان کی ورک شاپ ہے، مگر اس جانب مسلم معاشرہ کو جیسی توجہ دینی چاہئے ویسی توجہ نہیں ہے، لہذا مکاتب کی اہمیت، اس کی تنزلی کے اسباب اور اس کی ترقی کے لئے کیا کام کرنے چاہئے اس جانب بھی توجہ دلائی گئی ہے۔

بندہ بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب کو قارئین کے لئے مفید اور نفع بخش بنائے، جن اساتذۂ کرام کا کتاب ہذا میں ذکر خیر کیا گیا ہے ان کی قبروں کو نور سے منور فرمائے، درجات کو بلند فرمائے اور ان کے نقش قدم پر ہمیں چلتے رہنے کی توفیق بخشے، نیز لاجپور مسلم سوسائٹی کی تمامی خدمات

کوشرف قبولیت بخشے اور سوسائٹی کو دن دونی رات چوگنی ترقی سے نوازے، آمین

مکتب کی اہمیت

یہ جو مکتب ہے
موجود ہم میں جب تک ہے
بچوں کے ایمان ہو جانے
محفوظ بڑی حد تک ہے
مکتب سے بچے ہمارے
سیکھتے ایمان و دین ہے
ہوتا اس سے پیدا
ان میں وصف یقین ہے
سکھایا جاتا اس میں بچوں کو
الف باء تاء سین ہے
یہ خدمت کوئی معمولی نہیں
یہ خدمت خدمت عظیم ہے
مکتب کے اساتذہ کی بدلت ہی
بچے پڑھنا سیکھتے قرآن کریم ہے
نبی ہمارے ہم کو یہ بات بتائے ہیں

ہے وہ تم میں بہتر جو قرآن کو سیکھے سکھائے ہیں
سلام سکھاتے جو قرآن کے سی پارے ہیں
وہ نبی کے لاڈلے اور خدا کے پیارے ہیں

(سلام لاچپوری)

سیکھنا اصل ہے

العلم فيه حياة للقلوب

كما تحيا البلاد اذا ما مسها المطر

والعلم يجلوا العمى عن قلب صاحبه

كما يجلى سواد الظلمة القمر

ترجمہ۔دلوں کے لئے علم اسی طرح زندگی ہے جس طرح مینہ سے زمین زندہ ہوجاتی ہے،علم کورے پن (اندھے پن) کو دل سے اسی طرح زائل کردیتا ہے جس طرح چاند سخت اور گھپ اندھیرے کو۔

حدیث مبارکہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''خیر کم **من تعلم القرآن وعلمه**،،(بخاری شریف)

ترجمہ۔تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پاک کو سیکھے اور سکھائے۔

اس آیت مبارکہ میں سیکھنے کو مقدم کیا گیا ہے سکھانے پر،سیکھنے کا تذکرہ پہلے سکھانے کا بعد میں اس کی چند وجوہات ہیں۔

(۱)ترتیب یہی ہوتی ہے کہ چیز پہلے سیکھی جاتی ہے اور بعد میں سکھائی جاتی ہے لہذا طبعی ترتیب کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔

(۲)علمی نکتہ اس میں یہ ہے کہ''خیرکم،،خیریت کے اندر متعلم معلم سے بڑھا ہوتا ہے،آپ دیکھیں کہ معلم کو پڑھانے پر تنخواہ ملتی ہے،سہولت ملتی ہے،کچھ نہ

کچھ عوض ملتا ہے، اور طالب علم کو پڑھنے پر کیا ملتا ہے؟ طالب علم تو مجاہدے کرتا ہے تکلیفیں اٹھاتا ہے۔

(۳) پڑھانے والے کو سفر نہیں کرنا پڑتا، پڑھنے والے کو سفر کرنا پڑتا ہے، کبھی اس استاذ کے پاس کبھی اس استاذ کے پاس، کبھی اس جامعہ میں جاؤ، کبھی اس جامعہ میں جاؤ، استاذ تو وہاں موجود ہوتے ہیں، سفر کی تکالیف طالب علم کے ساتھ زیادہ ہیں، اس لئے اللہ تعالی کی نظر میں وہ خیر میں بڑھا ہوتا ہے، اس لئے اس کا تذکرہ پہلے کیا گیا (پاجا سراغ زندگی ص ۱۵۳)

مکتب کی اہمیت (۱)

مکتب ماں کی گود کے بعد دوسرا مدرسہ ہے

محمد خان مصباح الدین تحریر فرماتے ہیں کہ مکاتب دراصل ماں کی گود کے بعد دوسری درس گاہ ہے جہاں ایک معصوم بچہ اپنا خالی وغیرآباد ذہن لیکر پہنچتا ہے اور اپنے فکری شعور کو علم کے نور سے فیض یاب کر کے پوری زندگی اس کے طفیل سے اپنی ذات اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے''**التعلم فی الصغر کالمنقش فی الحجر**،،بچپن کی تعلیم پتھر کی لکیر ہوا کرتی ہے۔

مجھ کو کہانیاں نہ سنا شہر کو بچا

بچی ہوئی ہے محبت کی آبرو ہم سے
ہم اس زمانے میں اگلے زمانے والے ہیں
مجھ کو کہانیاں نہ سنا شہر کو بچا
باتوں سے میرا دل نہ لبھا شہر کو بچا
تو چاہتا ہے گھر ترا محفوظ ہو اگر
پھر صرف اپنا گھر نہ بچا شہر کو بچا
کوئی نہیں بچانے کو آگے بڑھا حضور
ہر ایک نے دوسرے سے کہا شہر کو بچا

شہروں میں لوگوں کا رجحان مکاتب سے سمٹ کر دائروں میں آ گیا اور وہ جگہ خالص انگلش میڈیم کے پہلو میں چلی گئی، وہاں کے ناز ونخرے زمینی سطح سے اوپر والوں کے ساتھ ساتھ زمینوں سے جڑے ہوئے لوگوں کو بھی مبہوت کرنے لگے، پھر کیا تھا درد کی زمینوں والے بھی دنیا کی لالچ میں اپنے بچوں کو انگریز بنانے کی دوڑ میں شامل ہو گئے، انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ ان کے بچوں کو جدید تعلیم کی آڑ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا جا رہا ہے۔

موجودہ دور کے مکاتب کی مثال

ہمارا سماج اس وقت جس ترقی کی ناؤ میں سوار ہے وہاں سے یہ مکاتب اب صرف امیری کی چادر میں پیوند اور محلوں کے سامنے کسی بدنما جھوپڑی کے مانند رہ گئے ہیں، مسلمانوں کی بے رغبتی اور دین بیزاری کی وجہ سے ہندوستان کے اکثر مکاتب اس قدر بوسیدگی کا شکار ہیں جیسے کسی اجڑی ہوئی ریاست کے گمنام کھنڈر انسانوں کو دعوت دے رہے ہوں، کبھی یہاں کی رونقیں قابل دید ہوا کرتی تھیں، بچوں کی بھیڑ، اساتذہ کا جذبہ، عوام کی توجہ مگر سب کچھ سرد پڑ گیا، سارا حسن، سبھی رونقیں دنیا کی رنگینیوں میں بہہ گئیں، حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی چیز بے توجہی کا شکار ہو جائے تو وہ اپنی اصلی شکل وصورت کھو دیتی ہے، یہی معاملہ ان مکاتب کے ساتھ ہوا۔

وجوہات

اس کے وجوہات پر اگر بات کریں تو سب سے پہلی وجہ لوگوں کا دینی تعلیم کے تیئں تنگ نظری اور حقارت کا رویہ ہے، جو تعلیم انسانوں کو پیدائش کا مقصد یاد دلائے، اپنی پہچان بتلائے اللہ تعالی اور بندے کے درمیان تعلقات کو جوڑے اس کی جگہیں حقیر کیسے ہوسکتی ہے۔

دوسری وجہ۔علماء کرام کی عزت واحترام کے جذبے کا مفقود ہوجانا ہے، ذرا تصور کریں کہ جو لوگ پوری زندگی اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات عام کریں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی چھوٹی بڑی ساری باتیں ذہنوں میں کوٹ کوٹ کر بھریں، بچوں کو فرائض وواجبات اور دیگر علوم وفنون کو سمجھنے کے فوائد بتلائیں، انسانیت کے حقوق سمجھائیں، والدین کی فرمانبرداری کا سبق پڑھائے، وہ عزت واحترام کے کس مقام پر ہونے چاہئے تھے کبھی اپنے آپ سے پوچھئے گا ضرور (مناسب وقت نکال کر)۔

تیسری وجہ۔جدید تعلیم سے مکمل لگاؤ، اور اسی تعلیم کو اکیلا کامیابی وکامرانی کا اصول وضابطہ سمجھ لینا، جب دنیاوی تعلیم کو سب کچھ سمجھ لیا جائے تو پھر مکاتب دینیہ کا یتیم وبے سہارا ہونا لازم تھا، جو لوگ جدید تعلیم ہی کو سب کچھ سمجھ کر اپنے بچوں کو پیدائش کے بعد سے مکاتب کی دہلیز کو چھونے نہیں دیتے اور انہیں جدید تعلیم کی آغوش میں ڈال دیتے ہیں ایک دن وہی بچے اپنے والدین کو ردی کی ٹوکری میں

ڈال کرعزت واحترام کے بلند مقام سے گرا کرایک کمرے میں قید کران کی مکمل آزادی اورحق چھین لیتے ہیں،یا پھر گھر سے نکال دیتے ہیں کیونکہ انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ والدین کا مقام ومرتبہ کیا ہے۔

چوتھی وجہ۔ لالچ ہے کیونکہ ہم نے بہت پہلے مان لیا تھا کہ مکاتب سے اپنے بچوں کو جوڑ کرآگے دنیاوی تعلیم میں دشواری پیدا ہوگی،دینی تعلیم نوکری اور کمائی کے راستے میں مخل ہے اس لئے ہم سب نے اپنے بچوں کوانگلش میڈیم کی مشینری میں ڈال کرانہیں پیسہ کمانے کی مشین بناڈالا۔

اس کا انجام یہ ہوا کہ ہمارے بچے ذہنی طور پراتنے محدود ہوگئے کہ انہوں نے اپنے دین ومذہب کوایک زائداورغیرضروری چیزسمجھ کرمکمل طور پر چھوڑ دیا،جس کی پاداش میں کتنے بچے اسلام کی بنیادی باتوں سے بھی نابلد اورکورے رہ گئے بہت سے ایسے بھی ہیں جنہیں سورۂ فاتحہ اور نماز کی دعائیں تک یادنہیں،کیونکہ انہوں نے مکاتب کا منہ دیکھا ہی نہیں جہاں سب سے پہلے بچوں کوان باتوں سے روشناس کرایا جاتا ہے۔

مکاتب کوآبادرہنےدوورنہ.........

شاعرمشرق علامہ اقبالؒ نے اندلس سے لوٹنے کے بعد اپنے جذبات کو جس طرح پیش کیا تھا وہ ہرمسلمان کے لئے دعوت فکروعمل ہے،انہوں نے بڑی گہرائی اور گیرائی سے کہا تھا کہ ان مکاتب کو اسی حال میں رہنے دو ،غریب

مسلمانوں کے بچوں کو ان میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ وہی ہوگا جو کچھ میں اندلس میں دیکھ کر آیا ہوں، جہاں مسلمانوں کی تقریباً ساڑھے آٹھ سو سالہ حکومت میں کھنڈرات اور بوسیدہ عمارتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اگر اپنا انجام اس طرح نہیں چاہتے تو پھر مکاتب کو اپنی حالت پر آباد رکھو۔

انجام بدتر ہونا لازمی ہے

یاد رکھئے! جو شخص دین سے کٹ کر بھلائی تلاش کرے گا، وقتی طور پر کامیاب ہوسکتا ہے مگر انجام بدتر ہونا لازمی ہے، اور جو دین سے جڑ کر دنیاوی تعلیم کا حصول کریگا ان شاء اللہ عرش والا دنیاوی تعلیم کے مراحل بھی آسان سے آسان تر کر دے گا، بہرحال! ہمارے لئے ضروری ہے کہ مکاتب کی اہمیت کو سمجھے اور اسے منظّم و مستحکم بنائے ورنہ دارین کی کامیابی ممکن نہیں (بتغیر)

مکاتب کی اہمیت (۲)
تعلیم کی حیثیت شہ رگ کی ہے

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم العالیہ تحریر فرماتے ہیں کہ کسی بھی مذہب اور فکر وعقیدہ کے لئے تعلیم کی حیثیت شہ رگ کی ہے، اگر کسی قوم کو اس کے دین سے محروم کرنا ہو تو اس کے دینی تصورات سے اس قوم کا علمی رشتہ کاٹ دیجئے، یہ چیز خود بخود اس قوم کو اپنے مذہب سے بے گانہ بنا دے گی، اس کے لئے پنجہ آزمائی کی ضرورت پڑے گی اور نہ معرکہ آرائی کی، یہ کسی قوم کو فکری اور مذہبی اعتبار سے قتل کرنے کا ایسا کامیاب اور بے ضرر نسخہ ہے کہ بقول شاعر ؎

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے ساتھ یہی طرز عمل اختیار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، انگریز ہندوستان آئے تو انہوں نے بھی یہ ناکام کوشش کی، چنانچہ لارڈ میکالے جب فورٹ ولیم کالج قائم کرنے کے بعد برطانیہ واپس آگئے، تو انہوں نے برطانوی دارالعوام میں اپنے اس منصوبے کو ان الفاظ میں ظاہر کیا کہ ’’میں ہندوستان میں ایک ایسے ادارہ کی بنیاد ڈال کر آیا ہوں کہ اس کی وجہ سے ہندوستان میں رہنے والے رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی رہیں گے

لیکن اپنی فکر اور ذہن ودماغ کے اعتبار سے انگریز بن جائیں گے،،،۔

دل ونگاہ کے اعتبار سے حجازی بنے رہیں

چنانچہ اس ملک کے دردمند علماء نے اس حقیقت کو محسوس کرلیا اور انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی مدارس اور مکاتب قائم کرکے اس بات کا انتظام فرمایا کہ اس ملک میں بسنے والے مسلمان گو رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں لیکن وہ دل ونگاہ کے اعتبار سے حجازی بنے رہیں اور پیغمبر اسلام کا دامن نبوت ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے، جب ملک آزاد ہوا تو مسلمانوں نے اس جذبہ کے ساتھ جنگ آزادی میں شرکت کی کہ وہ اس ملک کے مالکوں میں ہوں گے، اس ملک میں ان کا مذہب، ان کی تہذیب اور ان کی زبان محفوظ رہے گی، لیکن بدقسمتی سے انگریزوں نے اس ملک میں فرقہ پرستی کا بیج بویا اور اس شجر خبیث کو اتنا تناور کردیا کہ آزادی کے بعد بھی اس کی جڑیں پھیلتی رہیں اور آج تو فرقہ پرست طاقتیں بام اقتدار پر پہنچ چکی ہیں، جہاں مسلمانوں کو اس ملک میں معاشی طور پر پس ماندہ سیاسی اعتبار سے مفلوج وبے اثر اور جان ومال کے اعتبار سے غیر محفوظ وغیر مامون کرنے کی کوششیں کی گئیں وہیں مسلمانوں کی تہذیب پر بھی یلغار کی گئی اور کوشش کی گئی کہ تہذیبی اعتبار سے ان کا ہندوکرن کردیا جائے اور اس بات کی بھی بھرپور کوششیں کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب اور عقیدہ سے دور کردیا جائے تاکہ ایک دونسل کے بعد وہ مذہبی شعور سے پوری طرح محروم

ہو جائیں۔

دینی تعلیم حاصل کرنے کے دو درجے ہیں

دینی تعلیم حاصل کرنے کے دو درجے ہیں، ایک تو اتنی تعلیم جو ہر شخص کے لئے ضروری ہے، یہ دین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہے، توحید اور شرک کی حقیقت، نبوت و وحی کا اسلامی تصور، انبیاء اور بالخصوص پیغمبر اسلام کے ضروری حالات، پاکی و ناپاکی، نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور قربانی کے بنیادی احکام، نکاح و طلاق، خرید وفروخت، ملازمت اور نوکری، کسب معاش کے حلال طریقے، شریعت کی حرام کی ہوئی چیزوں وغیرہ سے متعلق ضروری مسائل، صحابہ اور صحابیات کی مبارک زندگیوں سے متعلق بنیادی معلومات، والدین، اولاد، میاں بیوی اور اعزہ و اقرباء سے متعلق حقوق، شب و روز کئے جانے والے افعال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور مسنون و ماثور اوراد و اذکار، یہ وہ امور ہیں کہ جن کے بارے میں جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے، مرد ہوں یا عورت، جوان ہوں یا بوڑھے اس مقصد کے لئے جگہ جگہ دینی مکاتب اور بالغوں کے لئے دینی تعلیم کے مراکز قائم کرنے کی ضرورت ہے، کوشش کرنی چاہئے کہ کوئی محلّہ اور کوئی مسجد ایسے مکاتب اور مراکز سے خالی نہ ہو بلکہ بچوں اور بچیوں کے اسکول کے اوقات کے لحاظ سے صباحی اور مسائی دونوں طرح کے مکاتب ہوں اور کوشش کی جائے کہ محلّہ کا کوئی بچہ اور دین سے ناواقف کوئی نوجوان ایسا نہ رہے جو اس نظام سے فائدہ نہ اٹھائے۔

آ گرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا.....

علامہ اقبالؒ ان لوگوں میں تھے جن کو مشرق دیدہ اور مغرب رسیدہ کہا جاتا ہے حکیم احمد شجاع نے اپنی کتاب ''خون بہا،، میں اقبال سے اپنی ایک دلچسپ گفتگو نقل کی ہے، جوان لوگوں کے لئے یقیناً چشم کشا ہے جوان دینی مدارس کے نظام کو فرسودہ اور out of date تصور کرتے ہیں، حکیم صاحب کا بیان ہے کہ لاہور میں آ کر میں نے پاک پٹن شریف کے مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت اور اپنے ان احساسات کی روداد ڈاکٹر محمد اقبال کو سنائی، وہ پہلے تو حسب عادت میری بات غور سے سنتے رہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرے احساسات سے ہمدردی ہے، پھر آنکھیں بند کر کے سوچنے لگے، جب میں اپنی کہانی سنا چکا تو فرمایا جب میں تمہاری طرح جوان تھا تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی، میں بھی وہی کچھ سوچتا تھا جو تم چاہتے ہو، انقلاب ایک ایسا انقلاب جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب و متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر دے، پھر علامہ نے فرمایا ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمان کے بچوں کو انہیں مدرسوں میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ اب جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور باب الاخوتین کے

نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے اثر کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اوران کی تہذیب کا کوئی نام ونشان نہیں ملے گا۔

مکتب کی اہمیت (۳)

موجودہ اندلس کا حال

مکتب کی حیثیت اور اس کی کیا اہمیت ہے وہ آپ پیچھے پڑھ ہی چکے ہیں،اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ علامہ اقبالؒ نے اس تعلق سے فرمایا کہ اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے اثر کا کوئی نقش نہیں ملتا۔

آج کے اندلس کا کیا حال ہے وہ بھی پڑھتے چلے،مسجد جامع قرطبہ جس کا ذکر اقبال نے کیا ہے آج وہاں پہنچکر ایک حساس دل رکھنے والا مسلمان کس طرح اذیت قلبی محسوس کرتا ہے اس کی ایک جھلک پیش کرتا ہوں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ تحریر کرتے ہیں کہ بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ مسجد قرطبہ کی چھت میں تین سو ساٹھ طاق اس ترتیب سے بنائے گئے تھے کہ سورج اپنے سال بھر کی گردش میں

ہر روز ایک طاق میں داخل ہوتا تھا، رات کے وقت مسجد میں فانوس روشن ہوتے تھے جن کی تعداد سات ہزار چار سو پچیس تھی، مسجد میں جلنے والی شمعوں اور چراغوں میں تیل کا سالانہ خرچ تین سو چودہ من کے قریب تھا، سال بھر میں ساڑھے تین من موم اور ساڑھے چونتیس سیر سوت بتیاں بنانے میں صرف ہوتا تھا، ہر جمعہ کو مسجد میں آدھا سیر عود اور پاؤ بھر عنبر جلایا جاتا تھا، لیکن آج یہ مسجد دن کے وقت بھی تاریک نظر آرہی تھی، کافی کافی فاصلوں پر کچھ بجلی کے بلب جل رہے تھے، مگر وہ اندھیرا دور کرنے کے لئے کافی نہ تھے، مسجد پر کفر وشرک کے تسلط سے جو تاریک سائے صدیوں سے مسلط ہیں یہ اندھیرا اس کی نمائندگی کر رہا تھا، اب ساری مسجد کو کلیسا کے اندر تبدیل کر دیا گیا ہے، لے دے کے مسجد کی محراب اور اس کے سامنے دو تین چھوٹی سی صفوں کی جگہ رسی باندھ کر الگ کر لی گئی ہے، شاید اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ حصہ مسجد کی یادگار کے طور پر باقی رکھا جائے، یہ وہی مسجد ہے جہاں کبھی قاضی منذر بن سعید جیسے خطیب کی آتش نوا تقریریں ہوا کرتی تھی، اور جہاں علامہ قرطبی، ابن رشد، حافظ ابن عبدالبر جیسے لوگوں نے نمازیں پڑھی ہوں گی، مسجد میں ان کے اتنے تصرفات کے باوجود ان انفاس قدسیہ کے اذکار کی مہک محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی، لیکن ؎

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی

اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

آ گے لکھتے ہیں کہ عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا، ہم وہاں پہنچے لیکن یہاں باقاعدہ نماز پڑھنے کی اجازت اب بھی نہیں ہے، اکا دکا سیاح آ کر نماز پڑھ لے تو بات دوسری ہے، میرے دوست سعید صاحب نے یہاں اذان پڑھی لیکن حی علی الصلوۃ کی اس دلآویز پکار کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا، چنانچہ ہم دونوں نے محراب کے قریب کھڑے ہوکر نماز عصر ادا کی، میرے پروردگار کی شان کبریائی عروج وزوال کی اس دھوپ چھاؤں سے کہیں بلند وبالا ہے، وہ اس وقت بھی اعلی تھا جب یہاں سجدہ کرنے والی جبینوں سے یہ وسیع وعریض مسجد تنگ پڑ گئی تھی، اور اس وقت بھی اعلی ہے جب حی علی الصلوۃ کی آواز پر کوئی ایک قدم بھی محراب کی طرف نہیں اٹھا۔

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند

بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

ایسی دردناک فریاد جو یہاں آ کر آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے، کانوں سے سنی نہیں جاسکتی، اس مسجد میں اس وقت ہم دو مسلمان تھے اور دونوں خاموش تھوری دیر بعد سعید صاحب نے جو دیر سے اس پر اثر منظر سے متاثر تھے، سکوت توڑا اور مجھ سے کہا کہ تقی صاحب! یہاں سے جلدی چلئے، یہاں تو دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ گھٹن جگہ کی تنگی اور تاریکی سے پیدا نہیں ہوئی تھی، یہ وہ گھٹن تھی جس کا علاج نہ ان کے بس میں تھا نہ میرے بس میں، پھر ہم مسجد کے باہر جانے

والے دروازے کی طرف جانے لگے تو دل پر ابھی ایک اور چوٹ لگنی باقی تھی، اس دروازے کے اندرونی حصہ میں ایک آدمی اپنا ستار اور ہارمونیم ٹھیک کرنے میں مشغول تھا، ہم اس کے پاس پہنچے تو اس نے موسیقی کی تاریں شروع کر دیں، دل سے بے ساختہ دعا نکلی کہ یا اللہ! ایسی بے بسی کے عالم میں کسی مسجد کی زیارت آئندہ نہ کرائیے، میں نے اپنی زندگی میں نہ جانے کتنے تاریخی مقامات دیکھے ہیں بہت سے عبرت کدوں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے، لیکن دل و دماغ پر جو حسرتناک تاثر جامعہ قرطبہ کو دیکھ کر ہوا وہ کسی اور تاریخی مقام کو دیکھ کر نہیں ہوا، اور اب سمجھ میں آیا کہ اقبال مرحوم نے مسجد قرطبہ میں جو طویل نظم کہی ہے وہ تاثر کے کس عالم میں کہی ہے ۔

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلہ روز و شب تار حریر دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صیرفی کائنات

(دنیا میرے آگے ص ۳۸ تا ۴۲ بتغیر)

مکتب کی اہمیت (۴)

مکتب کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی ہے

مکتب بچوں کی تعلیم وتربیت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، یہ مکاتب دراصل دین کی بقااور ایمان واسلام کے تحفظ کے مراکز ہیں، ماں کی گود کے بعد یہ دوسرا مدرسہ اور درس گاہ ہے، جہاں قوم کے رجال کار اور ملت کے معمار نشوونما پاتے ہیں۔

فرض عین علم یہاں پر بچوں کو پڑھایا جاتا ہے

اسی لئے کہا گیا ہے کہ مکتب کے مرحلہ کی تعلیم فرض عین ہے، یعنی علم کی وہ مقدار بچوں کو دی جاتی ہے جس کا ہونا ہر مسلمان کے لئے واجب اور ضروری ہے جس کے بغیر ایک مسلمان اچھا مسلمان نہیں بن سکتا۔

عن انس بن مالک ؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم (ابن ماجہ)

آقا کا ارشاد ہے کہ (بنیادی) علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان (مردوعورت) پر فرض ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت، صحیح اسلامی عقیدہ، ارکان اسلام وایمان، آداب واخلاق اور دعائیں یہ وہ بنیادی تعلیمات ہیں جو اس مکتب کے مرحلہ تعلیم میں دی جاتی ہے، اور ہم میں کا ہر شخص خود سے یہ محسوس کرتا ہے کہ آج بھی ہم جو دعائیں

پڑھتے ہیں یا نماز ادا کرتے ہیں یہ اسی مکتب کے مرحلے میں سیکھی اور یاد کی ہوئی ہیں۔

صحیح عمر میں بنیاد ڈالنا

مکتب میں بچوں کو صحیح عمر میں یعنی پانچ سال کی عمر میں داخل کرادیا جائے، بعض لوگ بڑی عمر میں جاکر ٹیوٹر کو گھر پر بلاکر دین کی بنیادی تعلیم بچوں کو دلواتے ہیں اس میں وہ فوائد نظر نہیں آتے جو صحیح عمر میں مکتب میں داخل کراکر تعلیم دلانے کے آتے ہیں۔

مکاتب کا قیام بقائے اسلام کا ضامن ہے

ہماری نئی نسل ہی مستقبل کے رجال کار اور ملت کے معمار ہوتے ہیں، اس لئے ان کی ذہنی واخلاقی نشو ونما اسلامی تعلیمات پر ہونا از حد ضروری ہے، اور ایسے ماحول وفضا کا فراہم کرنا ان کے لئے لابدی ہے جس میں خالص اسلامی تہذیب کی چھاپ ہو، اور اجنبی ثقافت کے تمام ایمان سوز اثرات سے پاک ہو، یہ حقیقت بھی چشم کشا ہے کہ معاشرہ اور سوسائٹی میں مکاتب کا قیام بقائے اسلام کا ضامن اور تحفظ ایمان کا کفیل ہے، ان مکاتب سے علم کی جو روشنی نکل رہی ہے اس سے پوری دنیا سیراب وفیضیاب ہورہی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ان مکاتب کی طرف متوجہ کریں جس سے ان کے اندر دینی ماحول پیدا ہو، اور مکاتب کے نظام کی مضبوطی کی وجہ سے کفرستان میں بھی ایمان باقی رہ سکتا ہے، ورنہ مکاتب

سے بے التفاتی و بے اعتنائی کی وجہ سے ایمانستان میں رہ کربھی ایمان کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی، بہر حال! بچے چونکہ خالی الذہن ہوتے ہیں اسی لئے بچوں کے معصوم ذہن پر مکتب کی تعلیم کا بڑا اثر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ''التعلم فی الصغر کالنقش فی الحجر ،،(فتح الباری، باب التعلیم للصبیان جلد۹ص۸۳)

بچپن میں علم حاصل کرنا پتھر کی لکیر کی طرح ہوتا ہے اس لئے ہمیں اسی وقت سے کوشش کرنا چاہئے کیونکہ اگراس دور میں بچے کا دینی مزاج بن گیا تو زندگی کے ہر موڑ پر وہ دین کا دامن تھامے رکھے گا، کسی بھی موقع پر اس کا رشتہ دین سے کٹا ہوانہیں رہے گا، اسی مکتب کی تعلیم کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ تین چیزیں لوگوں کے لئے ضروری ہے(۱) حاکم و امیر ورنہ لوگ ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو جائیں گے (۲) مصحف یعنی قرآن کریم کی خرید وفروخت ورنہ کتاب اللہ کا پڑھنا پڑھانا بند ہوجائے گا(۳)عوام الناس کی اولاد کو تعلیم دینے کے لئے معلم جواجرت لے ورنہ لوگ جاہل رہ جائیں گے (تربیۃ الاولاد فی الاسلام جلد۱ص۲۹۱)

یہی بچے ہماری قوم کے رہنما ہیں

چنانچہ اسی وجہ سے سعید بن میبّبؒ جب مکتب کے پاس سے گذرتے تو فرماتے یہی بچے ہماری قوم کے رہنما ہے (طبقات ابن سعد جلد۵ص۱۴۱)

مکاتب کی اہمیت (۵)

قرون اولی میں مکاتب کا اہتمام

ان مکاتب کے قیام کا مقصد مسلمان بچوں کو پڑھنے لکھنے اور حفظ قرآن کی تعلیم دینا ہوتا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا ہے، چنانچہ آپ نے بدر کے مشرک اسیروں کی رہائی دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھانے پر موقوف رکھی تھی، انہیں دنوں میں زید بن ثابت انصاریؓ نے بچوں کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنا سیکھا تھا (تاریخ بغداد بشار جلد ۱۰ ص ۳۲۴)

خیر القرون میں مکتبی تعلیم کا بہت زیادہ اہتمام ہوتا تھا، چنانچہ خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں اولاً بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب قائم کئے اور معلمین کے لئے بقدر کفایت ایک رقم بطور وظیفہ کے مقرر کر دی (محلی ابن حزم جلد ۷ ص ۱۹۵)

اس طرح ہر جگہ مکاتب کا نظام قائم ہو گیا تھا، اور بہت سارے فقہاء اور علماء نے اپنی ابتدائی تعلیم انہیں مکاتب میں پائی تھی، چنانچہ امام شافعیؒ نے اپنے لڑکپن میں مکتب کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنی ماں کی گود میں یتیم تھا، مجھے میری ماں نے مکتب کے حوالے کر دیا، جب میں نے قرآن کریم ختم کیا تو میں مسجد میں جا کر علماء کی مجالس اور حلقوں میں بیٹھنے لگا (جامع بیان العلم وفضلہ)

مکاتب کی اہمیت اکابر امت کی نظر میں

مکتبی تعلیم کی اہمیت وافادیت بیان کرتے ہوئے سلف صالحین اور علماء کاملین کے نہایت ہی پر اثر جملے موجود ہیں، چنانچہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے دینی تعلیم کونسل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ دو باتوں میں سے کسی ایک کے لئے تیار ہو جائیں یا تو اپنے بچوں کے دینی اور تہذیبی ارتداد پر راضی ہو جائیں یا اس راستہ میں ہمیں جو محنت کرنی ہے اس کے لئے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں (مکاتب کی اہمیت اکابر کی نظر میں)

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ فرماتے ہیں کہ بالکل صاف کہتا ہوں بچوں کی عید کے کپڑے بنانے سے ہزار بار زیادہ اور بچہ بیمار ہو جائے تو اس کا بہتر سے بہتر علاج کرنے سے سینکڑوں بار زیادہ اور اپنے بچوں کو نوکری کے قابل بنانے سے لاکھ بار زیادہ یہ ضروری ہے کہ اس کو سچا پکا مسلمان بنایا جائے (حوالا بالا)

مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی کا ملفوظ ہے کہ موجودہ دور میں مدارس کی تعلیم فرض کفایہ ہے، اور مکاتب کی تعلیم فرض عین ہے، لہذا میں اپنی علماء برادری سے بھی ایک دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ ہم اپنی تنخواہ کہ کم ہونے کی وجہ سے معصوم بچوں کو کفر و ارتداد کے طوفانوں کے حوالے نہ کریں، کم از کم ایک دین کا خادم اور نبی کا وارث ہونے کی حیثیت سے نونہالان امت کے عقائد کی اصلاح اور

قرآن کی درستگی کے لئے تیار ہو جائیں، جو کچھ بھی مل جائے ٹھیک ہے اور ہم اپنی معمولی تنخواہ کی وجہ سے پڑھانے سے پیچھے نہ ہٹیں، ورنہ کل میدان محشر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے، اور یہ حقیقت بھی بدیہی ہے کہ دنیا تنخواہ ملنے کی جگہ ہے (یعنی تن جتنا چاہتا ہے) من خواہ ملنے کی جگہ نہیں ہے، پیسوں کے ترازو میں علم کو تولنے والا استاذ اپنے علم کی تذلیل کر رہا ہے، اور مکاتب کے اساتذہ اپنے آپ کو ہرگز کمتر اور حقیر نہ سمجھیں، آپ تو معزز اور افضل لوگ ہیں جیسا کہ حدیث عثمان بن عفانؓ میں ہے ''**خیر کم من تعلم القرآن وعلمه**،، (بخاری)

مکاتب کی اہمیت (٦)

مکاتب کی حیثیت خشت اول کی ہے

اسلامی مکاتب کی حیثیت خشت اول کی ہے، اسلامی معاشرے میں علم دین کی کونپلیں اگانے کا کام ہمارے اسلامی مکاتب کررہے ہیں، ہم صرف اعلی تعلیم کے لئے ایک سے ایک عالی شان مدارس قائم کرلیں لیکن اگر ہمارے پاس ابتدائی اسلامی تعلیم کے لئے مکاتب نہیں ہیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم بغیر زینے کے سیدھے چھت پر جانے کا خواب دیکھ رہے ہیں، یا بنا راکٹ کے خلائی سفر کے خواہش مند ہیں۔

اگر خشت اول ہی گڑبڑ ہوجائے تو پوری عمارت کی درست تعمیر کی توقع نہیں کی جاسکتی، بعض مدارس کے معلمین کا ہی شین، قاف درست نہیں ہوتا تو وہ بچوں کو کیسے درست قراءت سکھائیں گے، اسی طرح بعض مدرسین کا املاء بھی درست نہیں ہوتا ہے تو بچوں کو بھی غلط زبان اور غلط املا کی ہی تربیت ملے گی۔

ان تمام خامیوں کے اسباب پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہم نے مکاتب کی تعلیم کو کوئی خاص توجہ نہیں دی ہے، علمائے کرام اور سماج کے ذمہ داران نے مدارس قائم کرنے پر تو بہت توجہ دی ہے، دور دراز گاؤں اور دیہاتوں تک میں مدرسوں کا قیام ہوچکا ہے، لیکن باضابطہ مکتب کے قیام کی طرف توجہ نہیں دی جاتی، ہمیں صرف اس بات پر فخر ہوتا ہے کہ ہمارے مدرسے میں حفظ عالمیت فضیلت

اور درجہ افتا تک کی تعلیم ہوتی ہے، لیکن بنیادی تعلیم کو ہم درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔

مکاتب کی اہمیت (۷)

مفکر اسلام کا درد دل

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ ''یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ، ، یہاں معاملہ عالم وفاضل یا مفسر ومحدث بنانے کا نہیں بلکہ معاملہ ہے جہنم سے بچانے کا، دوزخ کی آگ سے بچانے کا، ایک جلسہ میں ایک بہن ایسی تھی کہ جن کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، عورتوں نے پوچھا کہ بہن! سر میں درد ہے، کچھ پیٹ میں تکلیف ہے، بولیں، کچھ نہیں، پھر مزید اصرار پر بتایا کہ میں بچہ سوتا ہوا چھوڑ کر آئی تھی، اس سے کچھ فاصلے پر دیا سلائی رکھی ہوئی ہے، اگر بچہ جاگ گیا اور چل کر دیا سلائی تک پہنچ گیا اور دیا سلائی سے تیلی نکال لی اور اپنے کپڑوں میں آگ لگالی تو کیا ہوگا؟ عورتوں نے پوچھا کہ بچہ کی عمر کیا ہے؟ بولی ڈھائی سال کا ہے، سب نے کہا ہوش کی بات کرو، وہ تو بہت چھوٹا ہے چارپائی سے کیسے اترے گا اور خود چل کر دیا سلائی تک کیسے جائے گا اور جا کر وہ یہی ایک کام کرے گا، جواب دیا تمہارا بچہ ہوتا تو جانتی، میرا بچہ ہے اس لئے مجھے ڈر ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ آج ہمارے ماں باپ کے دل میں یہ خیال پیدا کیوں

نہیں ہوتا کہ اگر ہم نے بچہ کو کلمہ، نماز نہ سکھائی، توحید کا سبق یاد نہ کرایا، حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی نہ سمجھائی تو کل وہ مشرک اٹھے گا، یہاں تو بالکل خطرات نہیں بلکہ مشاہدات ہیں، وہاں تو ایسا دور دور تک اندیشہ نہیں تھا، میں ایک مثال دیتا ہوں کہ ایک لڑکا ڈھلان والی سڑک پر سائیکل پر جا رہا ہے اور آگے گہری کھائی ہے، اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ سائیکل سے اتر جائے، اسی طرح آج ہمارے سامنے گہری کھائی ہے، وہ کھائی ہندو دیومالا کی ہے، بت پرستی کی ہے، مسلمانوں کے دلوں سے شرک و بت پرستی کی طرف سے ایسے گھن آنا ضروری ہے جیسے..............مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ تکدر، یہ تعفن یہ وحشت دور ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ ایک مسلمان کو سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہونا تھا کہ کل وہ مشرکانہ عقائد لے کر نہ اٹھے، حضرت خضر علیہ السلام کا ایک بچہ کو قتل کر دینے کا واقعہ تشریعی نہیں ہے، اس پر عمل آج نہیں ہوسکتا مگر یہ قصہ قرآن کریم میں قیامت تک پڑھا جائے گا، اس کا مقصد وافادیت یہ ہے کہ مسلمان سمجھے کہ خاندان کے لئے فتنہ بننے والا بچہ کتنا منحوس ہوتا ہے، اس قصہ کو قرآن کریم نے جگہ دی تا کہ معلوم ہو کہ یہ خطرہ کتنا بڑا تھا۔

اہم ہدایات

پہلی بات تو یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کو کھلی ہوئی بت پرستی سے اور مشرکانہ عقائد سے بچانے کے لئے اپنے گھٹنے ٹیک دیجئے، ہر ممکن کوشش کر ڈالئے، سکولوں

میں پڑھنے والے بچوں کے لئے خالی وقتوں میں پرائیویٹ کلاسز کا انتظام کرائیے یا ان مدارس ومکاتب میں داخل کرائیے، یہ مدارس ومکاتب آج ہماری ریڑھ کی ہڈی ہے، سانس کا حکم رکھتے ہیں، اگر سانس چل رہی ہے تو ہم زندہ ہیں ورنہ ختم، اپنے عائلی قوانین اور ملی تشخص کی حفاظت کے لئے یہ دینی مدارس ومکاتب بہت ضروری ہیں۔

چند باتیں مہتمم، منتظمین اور ذمہ داروں سے

کسی ادارہ کا ذمہ دار بننا جس طرح ایک خوش نصیبی کی بات ہے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں مندرجۂ ذیل اوصاف ہونے چاہئے، دیندار، متشرع ، عالی حوصلہ، فراخ چشم، متحمل المزاج، شریف النفس اور ان کی زندگی کی ضروریات کی فکر کرنے والا ہو، نیز وہ اساتذہ کا قدردان ہو، ان کے ساتھ اس کا سلوک مشفقانہ ہو۔

بہترین شخص کون ہے!

قدردانی پر یاد آیا، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ سابق صدر دارالعلوم کورنگی ایک تقریر میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے ''**خیر کم من تعلم القرآن وعلمه**،،

تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کریم کو سیکھے اور سکھائے۔

اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے والے تمام انسانوں میں سب سے بہتر انسان ہیں، لیکن دل دکھتا ہے کہ آج اس فتنوں کے دور میں اور مدارس کے اس انحطاط میں ہمارے معاشرے کی کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ دین میں مشغول اور پڑھنے پڑھانے والوں کی کوئی عزت وعظمت لوگوں کے دلوں میں نظر نہیں آتی، الا ماشاءاللہ! اللہ والوں کے دلوں میں ان کی عظمت ومحبت ہے لیکن باقی دنیا ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

یہ دیکھ کر بڑا غم ہوتا ہے

خاص طور سے جب میں ناظرہ قرآن کا فریضہ ادا کرنے والے اساتذۂ کرام کی طرف نظر کرتا ہوں یا جو اساتذہ درجہ حفظ پڑھا رہے ہیں، مشق قرأت کرا رہے ہیں یا قرأت عشرہ پڑھا رہے ہیں تو بڑا غم ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ معاشرے نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا، قرآن و حدیث نے ان کا جو اونچا مقام بنایا تھا ہم نے اس مقام کو نہیں پہچانا، حدیث پاک میں بتلایا گیا تھا کہ یہ سب سے اعلی انسان ہیں لیکن ہمارا طرز عمل ان کے ساتھ اعلی ترین انسانوں کا سا نہیں ہے۔

یہ فرق کیوں؟

اساتذہ کی تنخواہ معیاری ہو، حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ گھروں کے اندر بچوں کو حساب، انگریزی، سائنس وغیرہ پڑھانے کے لئے ٹیوٹر آتا ہے اور قاری صاحب بچوں کو قرآن کریم پڑھانے آتے ہیں، تو دونوں ایک ہی گھر میں آتے ہیں، لیکن کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ ٹیوٹر کو پیسے زیادہ ملتے ہیں اور حافظ صاحب کو پیسے کم دیئے جاتے ہیں، اگر وہ ایک گھر میں آنے والے ٹیوٹر کو ایک ہزار روپئے دیتے ہیں تو گھر میں آنے والے قاری صاحب کو پانچ سو روپیہ دے کر رخصت کر دیتے ہیں، یہ سوچنے کی بات ہے اور لمحہ فکریہ ہے۔

ہم نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا

ہمیں مدرسوں کے اندر خود اپنی کوتاہی کا بھی احساس ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا جو صرف ونحو کی کتابیں پڑھانے والے اساتذہ ہیں یا دوسرے مضامین پڑھانے والے اساتذہ ہیں ان کی تنخواہیں زیادہ ہیں اور ناظرہ یا حفظ کرانے والے اور تجوید وقرأت پڑھانے والوں کی تنخواہیں کم ہے، میں مدرسوں کے مہتمم صاحبان کی پوری جلالت شان اور احترام کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اس پر تمام مدارس کو سوچنے کی ضرورت ہے، یہ مجھے انصاف کی بات نظر نہیں آتی، جب ہمارے مدرسوں میں ان کے ساتھ یہ سلوک ہوگا تو عوام اپنے یہاں ناظرہ قرآن پڑھانے والوں کو کم تنخواہیں ہی دیں گے، حالانکہ یہ اتنا اونچا کام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض منصبی میں سب سے پہلا فریضہ ہے، یہ فریضہ وحی کے بعد پہلے دن سے شروع ہوگیا تھا، معانی قرآن کی تعلیم بعد میں شروع ہوئی، دعوت وتبلیغ کا کام بھی ڈھائی سال بعد شروع ہوا.......کا عظیم الشان کام بھی تیرہ سال کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچ کر شروع ہوا۔

لائق تقلید عمل

جب اللہ تعالی نے مجھ سے یعنی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحبؒ سے دارالعلوم کورنگی کی ذمہ داریاں متعلق فرمائیں تو میرے دل پر چوٹ لگی اور میں نے اس کی کوشش کی کہ یہ سلسلہ ختم ہونا چاہئے، چنانچہ ہمارے یہاں درجہ عالیہ تک کے

اساتذہ کی تنخواہوں کے گریڈ کے مطابق درجہ حفظ اور قرأت کے اساتذہ کی تنخواہیں ہیں، ہمارے پاس کوئی وجہ اور دلیل نہیں ہے کہ الفاظ قرآن پڑھانے والے اساتذہ کے ساتھ یہ انداز اختیار کیا جائے، یہ اعتراض میں مدرسوں کے مہتمم پر نہیں کر رہا بلکہ اپنے معاشرے کو اس طرف توجہ دلا رہا ہوں۔

ایک خاص اپیل

ہمارے معاشرے نے اس عظیم الشان جماعت کی قدر نہیں کی، مدرسوں کو اتنے چندے نہیں دیئے کہ وہ ان کی خدمت شایان شان کر سکیں، میری مدرسوں کے ساتھ تعاون کرنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ خاص طور سے اپنے عطیات الفاظ قرآن کے اساتذہ کے لئے دیں اور مدرسوں کے مہتمم صاحبان سے درخواست کریں کہ ہم خاص طور سے یہ عطیات الفاظ قرآن کے اساتذہ کی خدمت میں اضافہ کے لئے دے رہے ہیں، تنخواہوں میں اضافہ نہ روکیں اور پھر اللہ تعالی کی طرف سے برکت دیکھ لیجئے مجھے امید ہے کہ اس سے اللہ تعالی ان کے مال و دولت میں بھی برکت عطا فرمائے گا اور مدرسوں کے کاموں میں بھی برکت ہوگی، میں نے تو اس کا تجربہ بار بار کیا ہے، ہر سال اس کا تجربہ ہوتا ہے کیونکہ میری انتظامی ذمہ داری ہے، ہمارے ہاں ہر سال سب اساتذہ اور ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ ہوتا ہے، ہم جتنا جتنا اساتذہ اور ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کرتے جاتے ہیں اللہ تعالی اتنے ہی زیادہ وسائل بڑھاتے چلے جاتے ہیں، جب بھی

تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا تو فوری طور سے اللہ تعالی ایسے طریقوں سے پیسے بھیجتے ہیں کہ وہ ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا، یہ کمال ہمارا نہیں ہے صرف اللہ ذوالجلال کا احسان ہے کہ خدام قرآن کی خاطران مدرسوں کونوازتے ہیں۔

سب سے مشکل کام

ذمہ داران کومعلوم ہونا چاہئے کہ مکتب کی تدریس کوئی آسان نہیں ہے، یہ بڑا مشکل کام ہے، جتنی محنت قاعدہ پڑھانے والا استاذ اور ناظرہ وحفظ پڑھانے والا استاذ کرتا ہے شاید درس نظامی کا کوئی استاذ اتنی محنت نہیں کرتا، ایک بچہ جو بالکل نا سمجھ ہوتا ہے اس کی زبان پر ایک اجنبی زبان کے الفاظ چڑھانے ہوتے ہیں وہ بچہ اس مرحلے میں ہے کہ ابھی تک اس نے اپنی مادری زبان کو بھی بولنا نہیں سیکھا اور اس کو ض، ظ، ذ اور ز میں فرق سکھانا ہے، یہ کتنا مشکل کام ہے، حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ مجھ کو سب سے زیادہ مشکل کام بچوں کو قاعدہ پڑھانا معلوم ہوتا ہے۔

اس کا عملی تجربہ مجھے اس طرح ہوا کہ حضرت والد صاحبؒ دیوبند میں صدر مفتی تھے اور دار العلوم دیوبند میں داخل ہونے سے پہلے میں نے پڑھنا شروع ہی کیا تھا وہ مجھے اپنے ساتھ دار الافتاء لے جاتے تھے، اس زمانے میں بغدادی قاعدہ ہوتا تھا، والد صاحب نے دار الافتاء میں مجھے پڑھانا شروع کرادیا اور بڑے لاڈ پیار کے ساتھ مجھے پڑھاتے رہے، کئی تختیاں گذر گئیں، جب تشدید کی تختی آئی تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا دیکھو! یہ تشدید کی تختی ہے، جس حرف کے اوپر تشدید

ہواس کو دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے،تو ب کے اوپر تشدید تھی، میں نے پڑھا ''اَبَب ،،وہ کہنے لگے کہ ملا کر پڑھتے ہیں، میں نے پڑھا ''اَبَبْ ،،اس پر والد صاحبؒ نے مجھے تھپڑ رسید کر دیا وہ زندگی میں پہلا اور آخری تھپڑ تھا، میں خوب رویا اور حد درجہ شور مچایا ،چنانچہ والد صاحب مجھے تھپڑ مار کر خوب پچھتائے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ فرماتے ہیں کہ مکتب پڑھانا بڑی محنت کا کام ہے،ایک بچہ ہے جس کی زبان انگریزی ہے،ایک بچہ ہے جس کی زبان گجراتی ہے،ایک بچہ ہے جس کی زبان ہندی ہے،مراٹھی ہے،ایسے بچے کو عربی شروع کراتے ہیں اور عربی حروف کے مخارج اسے بتاتے ہیں کہ یہ حاء اس طرح نکلے گی،شین کی ادائیگی یہ ہے،ضاد کہاں سے نکلتا ہے،یہ محنت کا کام ہے،تو بڑی مشقت سے انہیں دھیرے دھیرے دین کا علم دیا جاتا ہے،یہاں تک کہ اس کا قرآن آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے۔

مکتب کی تعلیم دینا کوئی معمولی کام نہیں ہے

حضرت مولانا رفیق احمد بھیسانیؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم جلال آباد فرماتے ہیں کہ مکتب کی تعلیم دینا کوئی معمولی کام نہیں ہے بہت اونچا کام ہے،حکیم الامت حضرت تھانویؒ بڑھاپے میں گھر میں جو خاندان کی چھوٹی چھوٹی بچیاں ہوتی تھیں،ان کو نورانی قاعدہ عصر سے مغرب تک پڑھاتے تھے،یعنی معمولات میں داخل تھا(خطبات رفیق الامت ج۲ص۹۹۔۱۰۰بتغیر)

لوگوں کی ایک غلط سوچ

چھوٹے بچوں کوقرآن کریم کی تعلیم دینے کو عام لوگ اور ذمہ داران بھی چھوٹا کام سمجھتے ہیں،اسی لئے قرآن کریم پڑھانے والے اساتذہ کوبھی لوگ چھوٹا سمجھتے ہیں،اس کا مظاہرہ اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کوئی بخاری شریف پڑھانے والا ہے اس کوتو دو ہزار ڈھائی ہزار،تین ہزار تنخواہ دیں گے،اور جو چھوٹے بچوں کو قرآن شریف پڑھاتا ہوگا اسے دوسو،تین سو،چار سوتنخواہ دیں گے(یہ کئی سال پہلے کی بات ہے)یہ بات ہمارے طرز عمل سے ظاہر ہوتی ہے،حالانکہ قرآن کریم کی تعلیم اصل ہے،بنیادی چیز ہے،اس کے پڑھانے والوں کی عزت زیادہ ہے،اور قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے میں فتنہ بھی کچھ نہیں ہے،بڑی کتابوں کے پڑھانے والے اساتذہ فتنے میں مبتلا ہوجاتے ہیں،خود پسندی اور تکبر میں یہ خیال آتا ہے کہ ہم تو بہت اونچی تعلیم دے رہے ہیں مگر یہاں ایسا نہیں ہوتا ہے(حوالا بالا)

تنخواہ کا معیار معیاری ہو

مہنگائی میں بے تحاشہ اضافہ کے باوجود اس وقت آپ کوتین چیزیں پرانی قیمت پرہی مل جاتی ہیں۔

(۱)مسجد کاامام (۲)مدرسہ کی تدریس (۳)اورقرآن کریم کی تعلیم

شاید امت کی پریشانی اور ذلت و رسوائی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ قوم اپنے راہ نما کی قدر نہیں کررہی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں کہ سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنے مدرسہ کے اساتذہ کرام کا بڑا احترام کرتے تھے، ان کی راحت رسانی کی بہت فکر کرتے تھے، جب میں دارالعلوم کراچی میں تھا تو ایک خطیر رقم خرچ کر کے مدرسین کے لئے سوئی گیس کا انتظام کیا، حضرت کو اس بات کا اہتمام رہتا تھا کہ مدرسہ کے اساتذہ اپنے اکابر کے طرز پر ہوں، مخلص ہوں، دین کی نشر و اشاعت ان کا مقصود ہو۔

نیز فرمایا کہ حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میری رائے یہ ہے کہ مدرسین کا مشاہرہ (تنخواہ) حتی الوسع زیادہ سے زیادہ ہو تا کہ وہ اپنی معاش سے مطمئن ہو کر کام کریں، اگر مشاہرہ کم ہو تو مدرسین کہیں امامت و خطابت، ٹیوشن وغیرہ تلاش کرتے ہیں، پھر ایک معروف مدرسہ کے متعلق افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں باوجود وسعت کے مدرسین کی تنخواہیں کم ہیں اور مدرسین پریشان رہتے ہیں۔

مکاتب کے معلمین اکثر کم تنخواہوں پر گزارہ کرتے ہیں، جب ان کو اتنی تنخواہ ہی نہ ملے جس سے وہ اپنے اہل وعیال کی کفالت کر سکے تو لازمی طور پر وہ ہمیشہ کسی دوسرے آپشن کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں اور بچوں کی تعلیم سے لاپروائی برتتے ہیں، سماج کا رویہ اس جانب بہت مایوس کن ہے، اکثر گاؤں اور سماج کے افراد باحیثیت ہونے کے بعد بھی مکاتب و مدارس کے معلمین کو مزدوروں

سے بھی کم اجرت پر رکھتے ہیں۔

مدرسین کو جب جمع فرماتے تو نصائح کے ساتھ ساتھ چائے سے بھی مدرسین کی تواضع کرتے۔

آج کل ابتدائی تعلیم دینے والے استاذ کو کسی فہرست میں شامل نہیں کیا جاتا، بعض وہ علماء بھی جو مشہور ہو جاتے ہیں اور شہرت کی بلندی کو پا لیتے ہیں تو وہ بھی مکتب کے استاذ کو بھول جاتے ہیں، استاذ کی ناقدری کرنا ناشکری اور احسان فراموشی ہے، یہی عمل مدارس ومکاتب کے منتظمین کا بھی ہوتا ہے۔

استاذ کا مقام ومرتبہ

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کے صاحبزادے حماد نے جب اپنے استاذ سے ''سورۂ فاتحہ،، پڑھ لی تو امام اعظمؒ نے معلم کو ایک ہزار درہم عطا کئے، معلم نے امام صاحب سے کہا کہ میں نے ایسا کونسا بڑا کام کیا ہے کہ آپ اتنی بڑی رقم عطا فرما رہے ہیں، اس پر امام اعظمؒ نے فرمایا کہ آپ نے میرے بچے کو جو کچھ پڑھایا ہے وہ بہت بڑی اور انمول دولت ہے، خدا کی قسم! اگر میرے پاس اس سے بھی زیادہ رقم ہوتی تو میں وہ بھی آپ کو عنایت کر دیتا (الخیرات الحسان)

دوہری سزا نہ دے

دار العلوم کے زیر انتظام جناب الحاج محمد یوسف سیٹھی مرحوم کے تعاون سے مکاتب قرآنیہ چلتے تھے، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا

انتظام میرے سپرد کر رکھا تھا، مدرسین کی بے عنوانیوں پر کبھی طبعی طور پر بہت زیادہ ناگواری ہوتی تھی اور سخت سرزنش کے بعد بعض مدرسین کو معزول کرنا پڑتا تھا، اس سلسلہ میں ایک دن تنہائی میں احقر سے فرمایا کہ علیحدہ کرو اور ساتھ ہی سخت کلامی سے بھی پیش آؤ یہ ٹھیک نہیں، اس میں دو سختیاں جمع ہو جاتی ہیں کام کرنے کا اصول یہ ہے کہ جس کے ساتھ معاملہ سخت کرنا ہو مثلاً عارضی ملازمت کے بعد مستقل کرنا ہو یا تنخواہ بڑھانا ہو اس کے ساتھ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت زبانی سرزنش اور زجر وتوبیخ روا ہو سکتی ہے۔ (حوالا بالا ص ۲۴۱)

چند باتیں محترم اساتذۂ کرام سے

معلم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ معلم اول خود رب ذوالجلال ہیں چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے''الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان ،، یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اسمائے حسنی میں سے''الرحمٰن،،اسم مبارک لائے جس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ ہر معلم کو چاہئے کہ کسی بات کو سکھلانے کے لئے سب سے پہلی صفت ایک استاذ میں رحمت کی ہونی چاہئے استاذ کو اپنے دل میں رحمت وشفقت کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے۔

استاذ کو بلا وجہ اور بلا ضرورت اور ضرورت سے زیادہ غصہ نہیں کرنا چاہئے ،علامہ ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب میں دو شعر نقل کئے ہیں، ہر استاذ کو چاہئے کہ ہو سکے تو وہ اس کو زبانی یاد کرلے یا پھر کم از کم اس کا مفہوم اپنے ذہن میں رکھے، یا پھر اپنے کمرہ یا میز پر لکھ کر رکھے کہ بار بار یاد آتے رہیں۔

العقل آفته الاعجاب والغضب

والمال آفته التبذیر والتهب

ولم ارفی الاعدا حین خبرتهم

عدو لعقل المرء اعدی من الغضب

عقل کے لئے دو آفتیں ہیں،ایک عجب اپنے آپ کو دوسروں سے

اچھا سمجھنا اور دوسرا غضب وغصہ اور مال کے لئے بھی دو آفتیں ہیں ایک فضول خرچی دوسرا مال کا چھیننا، میں نے دشمنوں میں سے کوئی ایک ایسا سخت ترین دشمن نہیں دیکھا جیسے غصہ آدمی کی عقل کا دشمن ہے۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ کا ملفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''الرحمن علم القرآن ،،رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے تعلیم قرآن کے وقت اٹھانوے نام چھوڑ کر ''الرحمٰن،، کا نام ہی کیوں نازل کیا؟ تا کہ قیامت تک قرآن پڑھانے والوں کی آنکھیں کھل جائیں کہ شفقت اور رحمت سے قرآن کی تعلیم دینی چاہئے، قرآن میں ''الرحمن، علم القرآن ،،ہے، اللہ تعالیٰ نے ''الجبار،، نازل نہیں کیا، ''القھار،، نازل نہیں کیا، ''الرحمٰن،، نازل کیا تا کہ جتنے لوگ قرآن پاک پڑھانے والے ہیں وہ بچوں کو شفقت اور رحمت سے تعلیم دیں، ہڈی توڑ سزا دینا جائز نہیں، الحمدللہ! میرے مدرسہ میں استاذ پر بچوں کی پٹائی کرنے پر سخت پابندی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدرسہ میں اتنے زیادہ بچے آتے ہیں ورنہ مار پٹائی سے کتنے مدرسے ٹوٹ گئے (وسائل حیات اور مقصد حیات)

بعض مدرسین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ قلیل یا اطمینان بخش مشاہرہ پر جہاں مقرر ہیں وہاں اپنے فرائض کی انجام دہی میں لاپروائی کرتے ہیں، اکثر موبائل

فون پر لگے رہتے ہیں یا ان سے ملنے جلنے والے متعلقین اس قدر آجاتے ہیں کہ بچوں کی تعلیم پر توجہ نہیں ہو پاتی۔

مدرس کو وقت کا پابند ہونا چاہئے ،اور اپنی ذمہ داری کا بھی پاس ہونا چاہئے ،حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے کہ بعض مدرسین مدرسہ سے تنخواہ تو پوری وصول کرتے ہیں مگر مدرسہ کی طرف سے جو کام بھی ان کے ذمہ ہوتا ہے اس کو پورا نہیں کرتے ،کبھی سبق میں دیر سے پہنچتے ہیں،کبھی بلا وجہ سبق کا ناغہ کر دیتے ہیں،کبھی سبق میں بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرتے ہیں،جس سے سبق کی کمیت اور کیفیت کا نقصان ہوجاتا ہے،یہ سب باتیں امانت و دیانت کے خلاف ہیں،خیانت اور تطفیف میں داخل ہیں۔

ایک دفعہ جب کہ بعض مدرسین نے کتابوں کو مقام درس تک نہ پہنچایا تو حضرتؒ کو بہت افسوس ہوا اور ناراضگی کا اظہار کرتے رہے اور اس کے سد باب کے لئے مقام درس متعین کر کے کتاب کی سالم مقدار کو سال کے مہینوں پر تقسیم کرادیا،اور ہر ماہ کی مقدار متعین کرادی،اور مدرسین پر ایک بڑے استاذ کو نگران مقرر کر دیا کہ ہر ماہ بعد جانچ کرے کہ مدرسین نے مقدار کو پورا کیا یا نہیں۔

خود اپنا واقعہ سنایا کہ دار العلوم دیو بند کی ملازمت کے آخری سالوں میں بعض عوارض کی وجہ سے امور مفوضہ کے ادا کرنے کے لئے پورا وقت نہ دے سکتا تھا، کچھ کوتاہی ہو جاتی تھی اور تنخواہ بھی مجھے پوری مل جاتی تھی،مگر مجھے اس کا

شدت سے احساس تھا، جب میں دارالعلوم سے علیحدہ ہوا تو مجھے بڑی فکر ہوئی کہ مدرسہ کا حق میرے ذمہ ہے اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہو اس وقت میرے پاس زائد سرمایہ بھی نہ تھا جو مدرسہ میں داخل کر دیتا، ہاں ایک ذاتی کتب خانہ کافی مالیت کا تھا وہ میں نے مدرسہ میں داخل کر دیا اور مدرسہ کے حق سے سبکدوش ہوا اور اس کی مجھے بڑی خوشی ہوئی (معارف مفتی اعظم ص ۴۵ تا ۴۸ بتغیر)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم تحریر کرتے ہیں کہ دینی تعلیم کا ایک درجہ تو ضروریات دین کی تعلیم کا ہے، یہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، ہمارے جو بچے عصری درسگاہوں میں زیر تعلیم ہیں ان کے لئے بھی قرآن مجید کا با تجوید ناظرہ، کچھ سورتوں کا حفظ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، ضروری فقہی مسائل اور شب وروز کے مختلف احوال سے متعلق جو ادعیہ واذکار منقول ہیں، ان کا یاد کرانا تو ہر مسلمان بچے کے لئے ضروری ہے، اب اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضروری ہوگئی ہے کہ ان کو اسلام کی اور مسلمانوں کی تاریخ بھی پڑھائی جائے تاکہ وہ احساس کمتری سے بچ سکیں اور اسلام پر مغربی مصنفین اور ان سے متاثر ہوکر مشرق کے اہل علم جو اعتراضات کرتے ہیں ان کے جواب میں بھی رہنمائی کی جائے تاکہ غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کے دام ہم رنگ زمین سے اپنے آپ کو بچا سکیں (راہ عمل ا ص ۱۲۸۔۱۲۹)

استاذ بطور منصف تمام طلبہ سے مساوی برتاؤ اختیار کرے، رنگ، نسل

زبان اورقوم کی بنیاد پرتعصب کا اظہار نہ کرے، طالب کی عزت نفس کا خاص خیال رکھے، بچوں کے سامنے اس کی تضحیک نہ کرے تا کہ اس بچے کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔

بنیادی مقاصد کا احساس رکھے

مکتب کے ہر استاذ کومکتب کے بنیادی مقاصد یاد رکھنے چاہئے، حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ فرماتے ہیں کہ مکتب کے پانچ بنیادی مقاصد ہیں۔

مکتب صرف اس لئے نہیں ہے کہ اس میں بچے داخل ہو جائیں اور جلدی جلدی قرآن شریف ختم کردیں، جیسے ہمارے یہاں عام طور پر کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ بچے کا قرآن شریف جلدی جلدی پورا کردو اور پھر بڑے ہوکر مسائل پڑھ لے گا، مکتب کا یہ مقصد نہیں ہے۔

(۱) مکتب میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ بچے کوعربی زبان کی تصحیح کرائی جائے کہ قرآن مجید عربی میں نازل ہوا اور عربی زبان کا ایک خاص اسلوب ہے، اس کی ایک خاص اسٹائل ہے تو ہمیں چاہئے کہ چھوٹا بچہ جب مکتب میں آئے وہاں پہلے ہی سے اس کے تلفظ درست ہو، اس کو کہتے ہیں تصحیح حروف، حروف کو صحیح کرانا، بچہ ہمارے یہاں جتنے سال رہے اس میں اس کا قرآن شریف بالکل صحیح ہو جائے، اللہ تعالی نے ہمیں حکم فرمایا ’’ورتل القرآن ترتیلا ‘‘، (المزمل ۴) قرآن شریف کو ترتیل سے پڑھو، ترتیل کے معنی ہے ’’تجوید الحروف و معرفة

الــــوقـــــوف ،،حروف کوعمدگی کے ساتھ ادا کرنا اور مقام وقوف کو جاننے کا نام تجوید ہے،تو اساتذہ کا پہلا کام ہے کہ بچوں کو صحیح تجوید سکھائے، یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے کہ بڑے ہوکر عربی مدرسہ میں جائیں گے تو وہاں تجوید سیکھ لیں گے،نہیں،نہیں،تجوید ان کو پہلے دن سے پڑھانی ہے تاکہ بچہ جب بھی قرآن شریف کی تلاوت کرے توصحت کے ساتھ کرے اور یہ فرض ہے۔

الاخــذ بــالتـجـويــد حتــم لازم

مــن لــم يــجـو د الــقــرآن آثـم

کہ قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھنا واجب ہے، جوآدمی قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ نہیں پڑھتا وہ گنہگار ہوتا ہے۔

اس لئے کہ قرآن کریم عربی میں نازل ہوا ہے''انــا انــزلـنــه قـرئٰـنـا عــربيـا (یوسف۲) ہم نے قرآن کریم کو عربی زبان میں اتارا ہے،اس لئے مسلمان کا بچہ دنیا کے کسی خطہ میں ہو مسلمان کا پہلا فرض یہ ہے کہ عربی کتاب کو،عربی زبان میں عربی لہجے میں پڑھے۔

ہمارے یہاں تو لوگ بڑے ہوجاتے ہیں تب بھی نہ الحمد شریف صحیح پڑھتے ہیں اور نہ نماز میں پڑھی جانے والی دوسری سورتیں صحیح پڑھتے ہیں،نہ دعائیں ان کو صحیح یاد ہیں،حج میں جاتے ہیں لبیک پڑھتے ہیں وہ بھی عجیب وغریب انداز کی لبیک ہوتی ہے،ہمارے ہندوستانی لبیک یوں کہتے ہیں''لبيک الـلهـم

لبیک،لبیک لا سریک (شریک کی جگہ سریک)لک لبیک،،ایسا پڑھتے ہوئے میں نے خود سنا ہے،لاسریک لک لبیک،،کوئی لفظ ہے دنیا میں؟ پچاسوں انسانوں کو میں نے سنا کہ لاکھوں روپے خرچ کرکے جاتے ہیں مگر لبیک صحیح نہیں ہوتی،تو ہم میں یہ کمزوری ہے اس کو دور کرنے کا پہلا موقعہ مکتب ہے اور یہ مکتب پڑھانے والوں کا فریضہ ہے۔

(۲) مقصد مکتب میں عقائد کو درست کرنا ہے،اللہ تعالی کے متعلق کیا عقیدہ ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا عقیدہ ہے،قیامت کے بارے میں،پیغمبروں کے بارے میں وغیرہ وغیرہ عقائد درست کرانے ہیں،اور بچوں کو کلمہ،دعا،یہ سب ترجمہ کے ساتھ یاد کرانا ہے۔

(۳) مقصد یہ ہے کہ ہمیں بچوں کو عملی طور پر سمجھانا ہے کہ نماز کس طرح پڑھنی ہے،وضو کس طرح کرنا ہے،سیدنا عثمان بن عفانؓ جب خلیفہ تھے تو ایک جماعت آئی اور ان سے پوچھا یا امیر المؤمنین ’’کیف کان وضوءُ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،،امیر المومنین ہم کو بتایئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو فرماتے تھے؟ حضرت عثمانؓ نے پانی کا ایک طشت منگوایا اور وضو کیا اور اسی انداز سے وضو کیا جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا،جب وضو مکمل ہوگیا تو فرمایا ’’ھکذا کان وضوءُ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم ،،کہ میں نے جس طرح تمہارے سامنے وضو کیا اس طرح اللہ کے نبی نے کیا تھا،یہ ہے

پریکٹیکل (practical) آج کل اسکولوں میں practical knowledge کا طریقہ چلتا ہے، اب پریکٹیکل کرتے کرتے یہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ سیکس sex کی تعلیم بھی پریکٹیکل اس درجہ تک پہنچ گئے، تو ہمیں بھی نماز وضو یہ سب بچوں کو پریکٹیکلی طور پر سکھانا ہے، کتنے آدمیوں کو ہم نے گاؤں میں دیکھا کہ نماز کے سجدے میں پیچھے دونوں پیر اٹھالیتے ہیں، اٹھے ہوئے ہوتے ہیں، حالانکہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بقدر پیر اٹھائے جائیں تو نماز ہی نہیں ہوتی، لیکن ان کو کچھ پتہ نہیں، بس نماز پڑھے جارہے ہیں۔

تو بچوں کو پوری نماز کا طریقہ پریکٹیکلی طور پر سکھانا ہے، کتنے مسلمان ایسے ہیں کہ ان کو یہی پتہ نہیں ہوتا کہ اللہ اکبر کہنا فرض ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ اٹھانا ضروری ہے، یہی تکبیر تحریمہ ہے، وہ جلدی جلدی وضو کرکے آتے ہیں اور امام کے ساتھ جلدی جلدی ہاتھ اٹھاتے ہیں اور منہ سے اللہ اکبر نہیں کہتے، ان کی یہ نماز کہاں ہوئی؟ نہیں ہوئی، تکبیر تحریمہ کہنا تو فرض ہے، تو یہ باتیں ہمیں مکتب میں بچوں کو بتانا ہے کہ یہ فرض ہے، یہ واجب ہے، یہ سنت ہے، اور کہنا ہے کہ بچوں یاد رکھنا بڑے ہوکر اس کو نہ چھوڑنا، ہاتھ اس طرح باندھنا وغیرہ وغیرہ

(۴) مقصد یہ ہے کہ ان کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سمجھائیں، خلفائے راشدین کے بارے میں بتائیں، نیز ان کو اسلامی تہذیب سکھائے، ان کی اچھی طرح ذہن سازی کرے، ان کو بتائے کہ مسلمان کیسے

کھانا کھاتے ہیں، مسلمانوں کا رہن سہن کیسا ہوتا ہے اور کیسا ہونا چاہئے، ان کو بتائے کہ مسلمان اور غیر مسلمان کے کھانے میں کیا فرق ہوتا ہے، میرا اٹالوہ جانا ہوا میں نے لڑکوں سے پوچھا کہ ایک ہندو بھی روٹی کھاتا ہے اور ایک مسلمان بھی روٹی کھاتا ہے، دونوں کے کھانے میں کیا فرق ہے؟ بتاؤ؟ وہ بے چارے خاموش رہے، کیونکہ اس طرح کی باتیں ان کو مکتب میں سکھائی نہیں جاتی، پھر میں نے ان کو سمجھایا کہ ہندو ہاتھ دھوکر نہیں کھاتا، اللہ تعالی کا نام لیکر نہیں کھاتا، سیدھے ہاتھ سے نہیں کھاتا، اور مسلمان ہاتھ دھوکر بسم اللہ پڑھ کر سیدھے ہاتھ سے کھاتا ہے، نیز ان کو سمجھائیں کہ موٹر میں سوار تو سب ہوتے ہیں مگر مسلمان جب سوار ہوتا ہے تو بسم اللہ پڑھتا ہے دعاء مسنون پڑھتا ہے، ہمیں اپنے بچوں کو تہذیب کا فرق بھی سمجھانا ہے، ان کے دل و دماغ میں بٹھانا ہے کہ ہمارا ایک خاص کلچر ہے، اور یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بہت تاکید سے سمجھائی ہے کہ ''من تشبه بقوم فهو منهم ،، اسی لئے محرم کے روزے کا فرق واضح فرمایا کہ عاشورہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ مزید رکھوں گا نو کا یا گیارہ کا، ان کو سمجھانا ہے کہ مسلمان بلا عذر کھڑے ہوکر پیشاب نیں کرتا، مسلمان استنجاء کے بعد پانی، ڈھیلہ، یا ٹسو پیپر یوز کرتا ہے، نیز ان کو بتانا ہے کہ ہماری تہذیب میں طہارت بھی ہے اور نظافت بھی، دوسروں کی تہذیب میں صرف نظافت ہے طہارت نہیں ہے، ان کو سمجھانا ہے کہ ایک قطرہ پیشاب کا بدن پر نہیں لگنا چاہئے ورنہ نماز نہیں ہوگی، حدیث پاک میں

ہے ''ان اللہ طیب یحب الطیب، نظیف ویحب النظافۃ،، (ترمذی شریف) اور طہارت کے تعلق سے قرآن کریم میں ہے ''ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین،، (بقرۃ ۲۲۲) یہ سب ان کو سمجھانا ہے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ ہمارا اپنا ایک کلچر ہے ایک تہذیب ہے، ہماری تہذیب الگ ہے دوسروں کی تہذیب الگ ہے ؎

اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی (اقبال)

(۵) مقصد اسلامی اخلاق بتانا اور سکھانا ہے، مسلمانوں کے اخلاق اور مسلمانوں کی امتیازی حیثیت بچوں کو بتلانی ہے (مکاتب و مدارس کے پانچ بنیادی مقاصد بتغیر)

فرمایا کہ پڑھنے پڑھانے اور دینی تعلیم کا مقصد صرف یہ تھا کہ ''صبغۃ اللہ،، اللہ کے رنگ میں خود رنگ جانا اور دوسروں کو رنگنا، اگر یہ مقصد پیش نظر نہیں تو تدریس کے بجائے پھاوڑا لیکر مزدوری کر لینا بدرجہا بہتر ہے، اگر یہ مقصد نہیں تو ہمارے برابر کوئی خسارہ میں نہیں، قرآن کا ارشاد ہے ''الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا،، ہم اس کے مصداق ہو کر رہ جائیں گے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اکثر اس پر افسوس کا اظہار فرماتے کہ دینی تعلیم بھی فنی تعلیم کی طرح ہوتی جارہی ہے، اساتذۂ کرام میں اب وہ عمل کا جذبہ نہیں

رہا، ورنہ ایک وقت وہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے چپراسی سے لیکر مہتمم تک سب ہی شب بیدار اور صاحب دل ولی اللہ تھے، اب ملازمت، امانت مدرسی وغیرہ کی نیت سے تعلیم حاصل کرتے ہیں، نفلی روزہ اور نفلی نماز وغیرہ کا اہتمام شاید ہی کسی میں رہا ہو۔ (معارف مفتی اعظم ص۲۵۸)

فرمایا کہ فقہ کی سب کتابوں میں لکھا ہے کہ کتب فقہ کا مطالعہ رات کے نوافل (تہجد) سے افضل ہے مگر میں نے اپنے اکابر دیوبند وتھانہ بھون میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا کہ اس نے فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہوکر نماز تہجد چھوڑ دی ہو، دونوں کو جمع ضرور کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ کسی پر علم کا غلبہ ہوا تو انہوں نے تہجد کو کم وقت دیا اور کسی پر عبادت کا غلبہ ہوا تو انہوں نے مطالعہ میں کم وقت صرف کیا مگر مطالعہ کیا ضرور، پھر دور حاضر کے مدرسین وطلباء پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ علم تو سب پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر اس طرف شاید ہی کسی کی توجہ اور عمل ہو۔ (حوالا بالا ۲۶۰۔۲۶۱)

محسن برطانیہ حضرت مولانا یوسف متالا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کبھی میں دارالعلوم میں ہوتا ہوں تو طلبہ بھاگتے ہیں، تو دوسرا اس کو اشارہ سے روکتا ہے، میں اشارہ کرنے والے کو منع کرتا ہوں، مجھے طلبہ اسی طرح یہاں ہنستے، کھیلتے، کودتے مستی کرتے ہوئے اچھے لگتے ہیں کہ ان کی طبعی زندگی اور طبعی تقاضہ ان کی اس عمر کا یہی ہے، ہاں پڑھنے کے وقت میں ان کو ادب سے بیٹھ کر پڑھنا چاہئے، ہر جگہ ادب

نہیں (جمال محمدی بخاری شریف کے آئینہ میں ج۲ص۲۵۸بتغیر)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ مدرسوں کا مقصد ہے مسلمان پیدا کرنا، پھر مولوی بنانا اور پھر محقق بنانا ہے، نیز فرمایا کہ میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھا دے اسی سے کام چلا لیتا ہوں، آدمی مدرس ہو، مفہم ہو، صالح ہو مفسد نہ ہو، بس یہ کافی ہے، اگر محقق ہو اور مفسد ہو تو مدرسہ اور طلبہ کا علم وعمل سب تباہ ہو جائے گا (معارف مفتی اعظم)

مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت
زنگ گمراہی ز دل بزدایدت
ایں ہوس را از سرت بیروں کند
خوف و خشیت در دلت افزوں کند

ترجمہ۔یعنی حقیقی علم وہ ہے جو تم کو سیدھی راہ دکھا دے اور گمراہی کے زنگ کو تمہارے دل سے صاف کردے، یہ ہوائے نفسانی کو تمہارے اندر سے دور کردے اور خوف وخشیت تمہارے دل میں پیدا کردے۔

حضرت حسن بصریؒ سے موقوفاً روایت ہے کہ ’’العلم علمان،فعلم فی القلب فذلک العلم النافع،وعلم علی اللسان فذلک حجة الله عزوجل علی ابن آدم (مصنف ابن ابی شیبۃ)

ترجمہ۔علم دوطرح کا ہے،ایک علم دل میں ہوتا ہے یہی نفع بخش علم ہے اور دوسرا علم زبان پر ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے انسان پر حجت ہے۔

معلوم ہوا کہ حقیقی اور نافع علم وہ ہے جس سے اولاً قلب متأثر ہوتا ہے پھر اس کا اثر اعضاء و جوارح پر ظاہر ہوتا ہے اور رسمی و غیر نافع علم وہ ہے جو محض زبان تک محدود رہتا ہے اس کا اللہ کے نزدیک کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

علم نافع کی علامت یہ ہے کہ جس کو حقیقی علم حاصل ہوتا ہے اس کے علم وعمل اور قال وحال میں مطابقت ہوتی ہے،اس لئے کہ حقیقی عالم بے عمل ہو ہی نہیں سکتا اور نہ علم صحیح بلاعمل قائم رہ سکتا ہے،علم صحیح اپنے حامل کو مقتضائے علم پر عمل کے لئے مجبور کردیتا ہے۔

کسی کہنے والے نے کہا ہے ؎

ان کنت لاتدری فتلک مصیبة

وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

ترجمہ۔اگرتو نہیں جانتا تو یہ ایک مصیبت ہے،اگرتو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا تو یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔

استاذ کی مار شاگرد کو

اب ایک اہم مسئلہ پر ڈسکس کرنی ہے جس میں مدرسین افراط وتفریط کا شکار ہے وہ ہے بچوں کو تنبیہ کرنا،کچھ خاص باتوں کا خیال رکھتے ہوئے بوقت

ضرورت تنبیہ کی جا سکتی ہے خود حدیث پاک میں اہل وعیال کی تادیب کے لئے تنبیہ کا حکم ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے تعلیماً اپنے غلام حضرت عکرمہؒ تابعی کے پاؤں میں بیڑی ڈالدی تھی کہ کہیں آئیں جائیں نہیں (ابن سعد)

شیخ سعدیؒ نے ایک استاذ کے زدوکوب کرنے کا قصہ لکھا ہے، آخر میں لکھا ہے ''جوراستاذ بہ زمہر پدر،، اور عربی کا محاورہ ہے ''**الضرب للصبیان کالماء فی البستان**،، یعنی استاذ کی مار بچوں کے لئے ایسی ہے جیسے باغ میں پانی۔

ہر استاذ کو چاہئے کہ شاگردوں کی نازیبا حرکات، غفلت، سستی، غیر حاضری اور کام چوری اور گندگی وغیرہ پھیلانے کی عادات کو نوٹ کرے اور پھر سوچے کی کس طرح اس کی اصلاح ہوسکتی ہے، نیز دعائیں بھی مانگیں، اور پرانے اساتذہ سے اس سلسلہ میں مشورہ کرے پھر اصلاح کی کوشش کرے۔

اگر کسی طالب علم کے بارے میں سزا ہی تجویز ہو جائے تو سزا دینے میں بھی اس بات کا خیال رکھیں کہ سزا غصہ اتارنے کے لئے نہیں دینی بلکہ طالب کی اصلاح کے لئے دینی ہے چنانچہ ماہرین نے لکھا ہے کہ شاگردوں کو ایسی سزائیں دی جائیں کہ جن سے تادیب اور تہذیب مقصود ہو تعذیب نہیں یعنی شاگردوں کو مہذب اور مؤدب بنانا مقصود ہو محض تکلیف دینا مقصود نہ ہو، اسی طرح ان کی اصلاح مقصود ہو جذبہ انتقام پورا کرنا مقصود نہ ہو، ان پر رحم کرنا مقصود ہو ظلم کرنا مقصود

نہ ہو، جیسے حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کسی شاگرد کو سزا دے رہے تھے وہ شاگرد کہنے لگا استاذ صاحب اللہ کے لئے معاف کر دیجئے ،فرمایا اللہ ہی کے لئے تو سزا دے رہا ہوں یعنی تمہاری اصلاح ہو جائے اللہ کے اچھے بندے بن جاؤ اسی لئے تو سزا دے رہا ہوں۔

بچوں کی تعلیم وتربیت میں نرمی وسختی دونوں پہلوؤں میں اعتدال کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے،غصہ میں بے قابو ہو کر حد سے زیادہ مارنا یا مارنے کو بالکل غلط سمجھنا دونوں باتیں غلط ہیں،جس طرح نرمی اور محبت سے بچوں کی تعلیم وتربیت کرنا بہتر ہے،اسی طرح ناگزیر وجوہات کی بنا پر تنبیہ کی غرض سے بچوں کو سزا دینا بھی جائز ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو،اسی طرح حدیث مبارک میں آتا ہے کہ گھر میں ایسی جگہ کوڑا لٹکا کر رکھو جہاں سے وہ گھر والوں کو نظر آئے ، کیونکہ یہ ان کی تادیب کا ذریعہ ہے،امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے کہ جس سے فساد کا خطرہ ہو اس کو باندھنا،اور اس کے تحت ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ حضرت عکرمہؒ کو فرائض،سنن اور تعلیم قرآن کے لئے باندھا کرتے تھے،طبقات کبری میں ہے کہ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ قرآن وسنت کی تعلیم کے لئے میرے پاؤں میں بیڑی ڈالا کرتے تھے،لہذا اس سے معلوم ہوا کہ سرپرست حضرات اور

اساتذہ کے لئے بچوں کو تادیب اور تنبیہ کی غرض سے مناسب سزا دینا جائز ہے،لیکن اس کے لئے فقہاءکرام نے چند شرائط ذکر کی ہیں ان شرائط کی رعایت کرنا ضروری ہے، وہ شرائط یہ ہیں۔

(۱) بچوں کے والدین سے اس کی اجازت لی ہو۔

(۲) سزا سے مقصود تنبیہ و تربیت ہو،غصہ یا انتقام کے جذبہ کی تسکین نہ ہو۔

(۳) ایسی سزا جو شرعاً ممنوع نہ ہو۔

(۴) غصہ کی حالت میں نہ مارا جائے، بلکہ جب غصہ اتر جائے تو مصنوعی غصہ کرتے ہوئے سزا دے۔

(۵) بچوں کی طبیعت اس کی متحمل ہو،یعنی بچوں کو ان کی برداشت سے زیادہ نہ مارے۔

(٦) مدرسہ کی ضابطہ کی رو سے اساتذہ کو اس طرح کی تادیب کی اجازت ہو۔

(۷) ہاتھ سے مارے، لاٹھی، ڈنڈا، کوڑے وغیرہ سے نہ مارے اگر بالغ ہو تو بقدر ضرورت لکڑی سے بھی مارسکتا ہے بشرطیکہ برداشت سے زیادہ نہ ہو۔

(۸) ایک وقت میں تین سے زیادہ ضربات نہ مارے اور نہ ہی ایک جگہ پر تینوں ضربات مارے بلکہ تین ضربات متفرق جگہوں پر مارے۔

(۹) سر، چہرے اور شرم گاہ پر نہ مارے۔

(۱۰) بچہ تادیب کے قابل ہو اتنا چھوٹا بچہ جو تادیب کے قابل نہ ہو اس کو مارنا جائز نہیں ہے۔

(۱۱) ایسی سزا جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا جلد پھٹ جائے یا جسم پر سیاہ داغ پڑ جائے، یا دل پر یا جسم کے کسی نازک حصے پر اس کا اثر ہو، شرعاً جائز نہیں ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں نرمی اور محبت کا انداز اختیار کرنا چاہئے، بے جا مار پیٹ سے بچے ڈھیٹ ہو جاتے ہیں پھر ان پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا، اور زیادہ مارنا تعلیم و تربیت کے لئے مفید بھی نہیں، بلکہ نقصان دہ ہے، ایک تو یہ کہ اس سے بچہ کے اعضاء کم زور و جاتے ہیں، دوسرا یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھول جاتے ہیں، پھر مار سے ان پر کچھ اثر بھی نہیں ہوتا، اور اس کے مقابلے میں نرمی اور محبت اور بسا اوقات حوصلہ افزائی کے لئے انعام دینے اور محبت کا طریقہ زیادہ سودمند ہے، اور زیادہ مارنا تعلیم و تربیت کے لئے مفید طریقہ نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تربیت نرمی اور محبت سے فرمائی ہے، اپنے خدام سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سختی سے پیش نہیں آئے، اس لئے حتی الامکان نرمی اور شفقت کے ساتھ بچوں کی تربیت کرنی چاہئے، اور اگر ضرورت کے وقت سزا دینے کی بھی ضرورت ہو تو تدریجاً سزا دے

مثلاً ملامت کرنا، ڈانٹنا، کان کھینچنا، ہاتھ سے مارنا وغیرہ

یا پھر سزا کے طور پر ان کی کچھ وقت کے لئے چھٹی بند کر دی جائے، اس کا بچوں پر کافی اثر ہوتا ہے، کھڑا کر دیا جائے، اٹھک بیٹھک کرایا جائے، یہ آخری دو سزاؤں میں جسمانی اور اخلاقی دونوں اصلاحیں ہو جاتی ہیں، یعنی ورزش بھی ہو جاتی ہے، تنبیہ بھی ہو جاتی ہے، لیکن اس میں بھی اس کی رعایت کی جائے کہ برداشت سے زیادہ نہ ہو۔

باقی یہ بات کہ استاذ کی مار جسم کے جس حصے پر لگے اس پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے تلاش اور تتبع کے باوجود ہمیں حدیث کی کسی بھی کتاب میں نہیں مل سکی، اس لئے اس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ کی جائے۔ (دار الافتاء، جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن فتوی نمبر ۱۴۴۰۱۲۲۰۰۵۷۸)

ایک عام کوتاہی جو بچوں میں ہوتی ہے وہ ہے بہانہ بازی، طلباء بہانے بناتے ہیں، تو استاذ کو بہت غصہ آتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے، لہذا غصہ میں آ کر دو تین ڈنڈے یا ہاتھ جڑ دیتا ہے حالانکہ اس طرح بچے کی اصلاح بالکل نہیں ہوتی، البتہ ڈھنائی ضرور پیدا ہو سکتی ہیں۔

سزا دینے کی مختلف صورتیں اور.......

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ تعزیر وہ سزا ہے جو تادیب و تنبیہ کرنے کے لئے دی جائے اور حد کے درجہ سے کم ہو اور اس کے مختلف طریقے ہیں۔

(۱)ملامت کرنا(۲)ڈانٹنا(۳)ہاتھ یا لکڑی وغیرہ سے مارنا(۴)کان کھینچنا(۵)سخت الفاظ کہنا(٦)محبوس یعنی قید کردینا(۷)مالی سزادینا۔

بچوں کی بہتر سزا یہ ہے کہ ان کی چھٹی بند کردی جائے اس کا ان پر کافی اثر ہوتا ہے، میں نے بچوں کے لئے دوسزائیں مقرر کررکھی ہیں، ایک کان پکڑوانا جس کو مرادآباد والے بطخ یا مرغا بنوانا کہتے ہیں۔

دوسرے اٹھنا بیٹھنا اس میں دونوں اصلاحیں ہوجاتی ہیں، جسمانی بھی کیونکہ اس میں ورزش ہوتی ہے اور نفسانی یعنی اخلاقی بھی کیونکہ اس سے تنبیہ ہوجاتی ہے، مجھے بچوں کے پیٹنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے، بوقت ضرورت اگر کبھی میں مارتا ہوں تو رسی سے مارتا ہوں اس میں ہڈی ٹوٹنے کا خطرہ نہیں ہوتا، عام حالات میں سزامیں دوچپت بھی کافی ہیں۔

سختی مقصود بالذات نہیں، مقصود اصلاح ہے، جب معلوم ہوجائے کہ سختی سے نفع نہیں ہوتا تو نرمی سے اصلاح کرتا رہے، مگر اس میں ضبط وتحمل کی ضرورت ہے جو مشکل ہے، کیونکہ یہ تو آسان ہے کہ بالکل نہ بولے اور یہ مشکل ہے کہ ناگواری میں مشکل سے بولے خاص طور سے جبکہ دوسرا ٹیڑھا ہوتا چلا جائے۔

اور اپنے گھر والوں کا حال خود ہی ہر شخص جانتا ہے کہ نرمی سے اصلاح ہوگی یا سختی سے، محض سختی کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

میں بھی جو لوگوں کے ساتھ ان کی اصلاح کے لئے سختی کرتا ہوں اب

چھوڑ دوں گا کیونکہ کچھ نفع نہیں ہوتا۔

ایک صاحب نے فرمایا کہ کیا ایسی حالت میں گھر والوں کو مطلق العنان یعنی بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے؟ فرمایا نہیں، نصیحت کرتا رہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جس شریر بچہ کو بار بار پیٹا جائے اٹھتے، بیٹھتے لات جوتے کا معاملہ رکھا جائے وہ بے حیا ہو جاتا ہے پھر وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتا، اس سے قطع نظر ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ زیادہ مارنا تعلیم و تربیت کے لئے بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ بچہ کے قوٰی (اعضاء) کمزور ہو جاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھول جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ بچہ جب پٹتے پٹتے عادی ہو جاتا ہے، تو بے حیا بن جاتا ہے، پھر پیٹنے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اس وقت یہ مرض لاعلاج ہو جاتا ہے اور ساری عمر کے لئے ایک بری عادت یعنی بے حیائی اس کی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہے۔

سزا دینے کے غلط طریقے

ایسی وحشیانہ سزا جس کی برداشت نہ ہو سکے جیسے دھوپ میں کھڑا کر کے تیل چھوڑنا، ہنٹروں سے بے درد ہو کر مارنا نہایت گناہ ہے، کسی آدمی یا جانور کو آگ سے جلانا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا دستور ہے کہ لڑکوں سے دوسرے لڑکوں کے چپت لگواتے ہیں مگر میں اس سے منع کرتا ہوں یہ بہت غلط طریقہ ہے اس سے آپس میں عداوت ہو جاتی ہے۔

بچہ جو کھیل کھیلتا ہے وہ اس کے دلی جذبات کا عکاس ہوتا ہے

بچپن کو اگر چہ نادانی کی عمر سمجھا جاتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ ہماری شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے اور کسی بھی انسان کی شخصیت اس کے بچپن میں ہی تشکیل پاتی ہے، ماہرین کا ماننا ہے کہ والدین سات سال تک بچے کی تربیت جیسی کریں گے بچہ سات سال بعد ویسا ہی ردعمل دے گا، سات سال کی عمر کے بعد اگر آپ بچے کی بنیاد درست کرنے کی ٹھانوں گے تو آپ کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا، ہم اکثر تربیت کا مطلب سکھایا جانا سمجھتے ہیں جبکہ تربیت میں وہ ماحول بھی شامل ہے جس میں بچہ جی رہا ہے وہ جو کچھ بھی اپنے آس پاس ہوتا دیکھے گا یا سنے گا وہ سب اس کی تربیت کا حصہ بنتا جائے گا۔

یہ بالواسطہ یا بلا واسطہ دونوں طرح سے اثر انداز ہوتا ہے، مثلاً اگر گھر کا ماحول پر سکون اور اس کے مکینوں کی گفتگو آپس میں شائستہ اور تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو تو بچوں کو آداب گفتگو سکھانے پر محنت کم لگے گی، ساتھ ہی اس بچے کے اندر خود اعتمادی کا عنصر بھی غالب رہے گا، جبکہ اگر ہم بچوں کو اخلاقیات کا درس دے رہے ہیں لیکن بچہ پریکٹکل طور پر گھر میں اس کے برعکس ماحول دیکھے گا تو اخلاقیات کے تمام لیکچر دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور بچہ وہی اپنائے گا جو وہ اپنے آس پاس موجود بڑوں کو کرتا دیکھ رہا ہے، اس کے علاوہ اس کی نفسیات پر بھی منفی رجحان نمایاں رہے گا۔

ماہرین اطفال کے مطابق بچے کا تجزیہ کر کے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بڑے ہوکر کیسی شخصیت کا حامل ہوگا۔

اگر آپ بچے کی شخصیت کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ایک ہلکا لکڑی کا کھلونا اس کے سامنے میز پر رکھیں، اس کھلونے کی کوئی شکل ہوسکتی ہے جیسے گڑیا، کاریں، ٹرینیں، جانور چھوٹے بنے ہوئے گھر اس کے علاوہ پینسل، کاغذ اور قینچی وغیرہ بھی ہوسکتی ہے، ایک تحقیق کے مطابق کھلونے بچے کو اپنی طرف متوجہ کریں گے، ان کے استعمال اور ہٹانے کے طریقہ کار اور کھیلنے کے ذریعے بچے کی شخصیت کے بارے میں آپ تجزیہ کرسکیں گے۔

تحقیق کے مطابق جب بچے کو کوئی کھلونا حیران کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ کھیلنے لگتا ہے، وہ اس کے بارے میں اپنی خواہشات اور تجربات کا اظہار کرتا ہے، کھلونے کے ساتھ مخصوص قسم کا سلوک کرنا جیسے اس کے بال کھینچنا، کھلونے کو رلانا وغیرہ یہ مختلف رویوں کی نشاندہی کرتا ہے اسے سمجھنے کے لئے بچے کے ماحول پر غور کیا جانا چاہئے کہ اس کے اردگرد کیا ہورہا ہے، اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ گھر میں کوئی مسئلہ ہو جس کی وجہ سے والدین پریشان ہوں اور بچے کی جانب توجہ نہ دے پارہے ہوں۔

اس کے علاوہ تحقیق کے مطابق خود کو کھیل ہی کھیل میں جس کردار میں ڈھالتا ہے وہ درحقیقت اس کے ذریعے اپنے اندر کے خوابوں اور خیالات کی عکاسی

کرر رہا ہوتا ہے، مثلاً اگر بچہ کھلونوں کے ساتھ ڈاکٹر بن کر بات کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسے ڈاکٹر کا روپ اچھا لگتا ہے، بچہ اپنے جذبات کا اظہار اپنے کھیلنے کے انداز کے ذریعے کرتا ہے، چنانچہ اسے کسی کھلونے پر رحم آتا ہے جبکہ کسی کھلونے کو شرارتی تصور کرتا ہے اسے مارنے کی کوشش کرتا ہے تو سوچیں کہ وہ ایسا کیوں کرر ہا ہے؟ کیونکہ وہ ایسی جذباتی کیفیات سے گذر رہا ہوتا ہے جو اسے یہ سب کچھ سکھاتی ہیں اس لئے اگر وہ کسی کھلونے کو مارے یا خراب کرے تو اس سے اس کے بارے میں پوچھا جانا چاہئے اور اس پر اس کا رویہ تبدیل کیا جانا چاہئے۔

بچے کے جذبات اور دلی کیفیات کا سب سے بہتر جائزہ اس کی بنائی ہوئی تصاویر (ڈرائنگ) کے ذریعے کیا جا سکتا ہے، اگر بچہ کو پوری توجہ نہ مل رہی ہو تو وہ اپنی والدہ کی کام کرتے ہوئے تصویر بناتا ہے یا پھر وہ ایسی ڈرائنگ کرتا ہے جس سے اس کی ماں نے اسے گود میں لیا ہوتا ہے، اگر اس کا مزاج شرمیلا ہوگا تو وہ سورج کے غروب ہونے کی ڈرائنگ بنائے گا، بچے اس طرح اپنی دلی کیفیات کا اظہار کرتے ہیں یوں انہیں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے، لہذا جب بچہ کھیل رہا ہو تو اس کے کھیل کے انداز پر غور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ بچہ کن جذباتی کیفیات سے گزر رہا ہے (نوائے وقت اخبار ۲۹ نومبر ۲۰۲۳ء)

چند باتیں والدین اور سرپرستوں کی خدمت میں

ماں کی گود اول مدرسہ

یہ ماں کا اصل فریضہ ہے کہ وہ اپنے بچہ کو اسلام سے متعارف کروانے اور مسلمان کی شناخت بتلانے کے بعد زندگی گزارنے کے اہم اور بنیادی مقاصد سے روشناس کرائے، لیکن جب ہم معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو اکثر گھروں میں یہ ذمہ داری کما حقہ ادا نہیں ہورہی ہے، الا ماشاء اللہ، والدین کی اس ذمہ داری کو مکتب بحسن وخوبی ادا کرنے کی دوسری جگہ ہے۔

والدین اپنے بچوں کو جو سب سے خوبصورت اور بیش قیمت تحفہ دے سکتے ہیں وہ اسلامی آداب ہیں اس سے بہتر تحفہ نہ کوئی ہے اور نہ کوئی ہوگا۔

والدین بچے کو استاذ کا ادب سکھائے، یہ بہت ضروری ہے، استاذ کی تعظیم شاگرد پر واجب ہے، ادب کے بغیر علم تو شاید حاصل ہو جائے لیکن فیضان علم، انوار علم اور برکات علم اور استاذ کی پرخلوص دعاؤں سے شاگرد یقیناً محروم رہتا ہے، کیونکہ باادب بانصیب اور بےادب بےنصیب۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جس نے مجھے علم کا ایک حرف پڑھایا، سکھایا تو میں اس کا غلام ہوں، وہ چاہے تو مجھے بیچ دے اور چاہے تو مجھے آزاد کردے اور اگر چاہے تو مجھے غلام بنالے۔

امام زرنوجی نے اس کو ذکر کرنے کے بعد خود فرمایا ہے۔

رأیت احق الحق حق المعلم

واوجبه حفظا علی کل مسلم

سب سے زیادہ واجب الرعایہ اور ضروری حق ہر مسلمان کے ذمہ معلم (استاذ) کا حق میں پایا

لقد حق ان یھدی الیہ کرامة

لتعلیم حرف واحد الف درھم

وہ اس لائق ہے کہ ایک حرف بتانے کی قدردانی میں اس کو ایک ہزار درہم ہدیہ پیش کیا جائے۔

والدین بچوں کو سکھائیں کہ وہ ہر نماز کے بعد اپنے استاذ اور اساتذہ کے لئے دعا کا اہتمام کرے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں ہر نماز کے بعد اپنے استاذ محترم حماد بن سلیمان اور والد محترم کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

والدین بچوں کو گناہوں سے بچنے کی تاکید کرے

والدین اور سرپرست حضرات کو اس کی فکر رہتی ہے کہ بچہ ذہین ہو اس کا دماغ تیز کام کرے، اس سلسلہ میں ان سے گزارش ہے کہ بچوں کو گناہ سے بچنے کی تاکید کرے اس سے حافظہ تیز ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اپنے استاذ وکیعؒ سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے گناہوں کو چھوڑنے کی نصیحت کی اور فرمایا علم اللہ تعالی کا نور ہے اور اللہ کا نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔

شکوت الی و کیع سوء حفظی

فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نورمن الھی

ونور اللہ لایعطی لعاصی

والدین کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بلا سبب غیر حاضری نہ ہو، تعلیم میں سب سے بڑا مانع غیر حاضری ہے، بچے تو غیر حاضری کا بہانہ ڈھونڈ ہی رہے ہوتے ہیں، ان کا تو یہی جی کرتا ہے کہ ؎

کیا ہی مزہ ہوتا کیا ہی بات ہوتی
ہر دن جمعہ ہوتا ہر رات جمعرات ہوتی

نیز بچے مدرسہ میں جو دعا سیکھ کر آتے ہیں انہیں اس کا پابند بنائے کہ جب بھی وہ اس کام کو انجام دے اس وقت وہ دعا پڑھے یعنی عملی مشق کی جائے۔

بچوں کی تعلیمی قابلیت کو بہتر بنانے میں والدین اور اساتذہ کی بے جا سختی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے، جبکہ تھوڑی بہت سختی مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔

بچوں سے دن کا آغاز نماز فجر سے کروایا جائے، یہ بہترین اور بابرکت وقت بچوں کو سونے کی نذر نہ کرنے دیا جائے، عام طور پر تعطیلات کا آغاز ہوتے ہی بچوں کا رات دیر تک جاگنا اور صبح دیر سے اٹھنا معمول بن جاتا ہے جو کہ نامناسب اور خلاف فطرت ہے، اللہ تعالی نے رات آرام وسکون کے لئے اور دن کام کے

لئے بنایا ہے، اس لئے والدین خود بھی صبح اٹھ کر نماز ادا کریں اور اسی طرح بچوں کو بھی نماز کی عادت ڈالے۔

فجر کی نماز کے لئے بر وقت اٹھنے اور ادائیگی نماز کی حوصلہ افزائی کے لئے انعام بھی دیا جا سکتا ہے، ہر بہن اور بھائی کی فجر کے وقت باری باری اٹھانے کی ذمہ داری والدین لگائیں تا کہ سب کو ذمہ داری کا احساس ہو، اور ایک دوسرے کے درمیان مروت اور نیکی میں تعاون کا جذبہ پیدا ہو۔

والدین بچوں کے ساتھ مل کر ایک دوسرے سے قرآن حکیم کی تلاوت سنیں، چاہے دو آیات ہی کیوں نہ ہو۔

چھٹیوں میں سب اہل خانہ ناشتہ اور دونوں وقت کا کھانا اکھٹے کھائیں اس سے باہمی محبت میں اضافہ ہوگا۔

والدین بچوں کے ساتھ مل کر ہر ہفتے کا شیڈول ترتیب دیں، بچوں کے ذہن اور دلچسپیوں کے مطابق ذمہ داریاں بانٹیں۔

والدین بچوں کے اسکول کے ہوم ورک کی مرحلہ وار تقسیم کر کے اپنی نگرانی میں روزانہ تھوڑا تھوڑا کام کروائیں۔

بچوں میں ذوق مطالعہ پروان چڑھانے کے لئے اچھی اچھی کتب اور رسائل پڑھنے کو فراہم کریں، بچوں کو کہانی سننا اچھا لگتا ہے، لہٰذا والدین دلچسپ انداز میں بچوں کو کہانی سنائیں، ان کے ساتھ بیٹھ کر کہانی پڑھیں پھر اس پر بات

چیت کریں۔

جمعہ کے دن کو خاص اہمیت دی جائے، والدین سب بچوں کے ساتھ مل کر سورۃ الکہف کی تلاوت کر کے سعادت و برکت حاصل کریں، والد لڑکوں کو جمعہ کی جماعت کے لئے مسجد میں لے جائے۔

بچوں کی ذہنی و جسمانی نشو ونما کے لئے کھیل بچے کے لئے لازمی امر کی حیثیت رکھتے ہیں، کھیل سے جسم چست اور پھرتیلا ہوتا ہے، کھیلنے کودنے سے اعضاء کھلتے ہیں، اعصاب مضبوط اور کشادہ ہوتے ہیں، کھیل سے بچپن میں وہ نہ صرف چاق و چوبند رہتے ہیں بلکہ ان میں سیکھنے کی صلاحیت بھی زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے حضرت عمرو بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ حضور کریمؐ نے فرمایا

عرامة الصبی فی صغرة، زیادة فی عقله فی کبره (نوادرالاصول فی احادیث الرسول ج۲ ص۳۴۴، حکیم ترمذی)

بچے کا بچپن میں کھیل کود کرنا بڑے ہو کر اس کے عقلمند ہونے کی دلیل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف بچوں سے کھیلا کرتے بلکہ ان کو کھیل کود کے مواقع بھی فراہم کرتے، حدیث میں ہے ''**کان الحسن والحسین رضی الله عنهما یصطرعان بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم**،،

حضرات حسنین کے سامنے کشتی لڑا کرتے تھے۔

امام غزالیؒ اسی نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں

وینبغی ان یؤذن لہ بعد الانصراف من الکتاب ان یلعب لعبا جمیلا،یستریح الیہ من تعب المکتب بحیث لا یتعب فی اللعب،فان منع الصبی من اللعب و ارھاقہ الی الی التعلم دائما یمیت قلبہ ویبطل ذکا ئۃ وینغص علیہ العیش،حتی یطلب الحیلۃ فی الخلاص منہ رأسا.

بچے کو مکتب و مدرسے سے واپس آنے کے بعد ایسے کھیل کی اجازت دیدینی چاہئے جس کے ذریعے مکتب و مدرسے کی تکان اتر جائے ،لیکن اس حد تک کہ وہ کھیل کود میں اتنا مشغول نہ ہو کہ اس میں بھی وہ تھکن سے چور چور ہوجائے ،اس لئے کہ بچے کو کھیل سے روکنا اور اس کو ہمیشہ تعلیم میں مشغول رہنے پر مجبور کرنا بچے کے دل کو مردہ ذہانت کو ماند اور زندگی کو بے مزہ کردیتا ہے،اور پھر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ تعلیم سے ہی چھٹکارا پانے کی کوشش میں مصروف ہوجاتا ہے۔

ہاں والدین کو چاہئے کہ بچوں کی پڑھائی کے مخصوص اوقات میں ان کو کھیلنے کی اجازت نہ دیں کیونکہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور مطلوبہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا۔

گھر میں بچوں سے بے تکلف رہے، روایت میں ہے ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ ’’**دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یمشی علی**

اربعہ،وعلی ظھرہ الحسن والحسین رضی اللہ عنھما وھو یقول نعم الجمل جملکما،ونعم العدلان انتما (طبرانی،المعجم الکبیر،مجمع الزوائد)

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں اور پاؤں کے بل چل رہے تھے،آپ کی پشت مبارک پر حضرات حسنین سوار تھے اور آپ فرمارہے تھے تمہارا یہ اونٹ بہترین اونٹ ہے اور تم دونوں کا جوڑا بہترین جوڑا ہے۔

بچے کی تربیت کرنا والدین کی ذمہ داری ہے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بچے کی تربیت کرنے کی ذمہ داری استاذ کی نہیں والدین کی ہے،چونکہ بچہ استاذ سے زیادہ وقت اپنے والدین کے پاس گذارتا ہے،دوسری بات یہ کہ استاذ کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کما حقہ تربیت کی طرف متوجہ ہو،ہاں! ضمنی طور پر ان کی توجہ اس طرف بھی ہوتی ہے،استاذ آدھا کام تو والدین کا کردیتا ہے یعنی تعلیم دینا،اب صرف آدھا کام رہ گیا تربیت کا وہ والدین کو کرنا ہے،مثلاً بچہ نے جو جو دعائیں سیکھی ہیں تو اب والدین کی ذمہ داری ہے کہ اس کی عملی مشق گھر میں کرائیں کہ کھانے سے پہلے کھانے کی دعا،کھانے کے بعد کھانے کی دعا گھر میں داخل ہونے کی دعا وغیرہ وغیرہ اگر ہم عملی مشق نہیں کرائیں گے تو بچہ پھر اس کو اپنے عمل میں نہیں لائے گا،ہمارے اکابر اولاد کی تربیت خود کرتے تھے اور اس کو اپنا ذمہ سمجھتے

تھے،اور استاذ کا کام صرف یہ سمجھتے تھے کہ آپ کو بچہ کو دینی تعلیم دینا ہے،تربیت کا خیال ہم خود رکھیں گے،چنانچہ حضرت شیخ الحدیث آپ بیتی جلد دوم صفحہ نمبر ۷۴۔۷۵ پر لکھواتے ہیں کہ کسی مکتب میں یا کسی باقاعدہ حافظ صاحب کے پاس تو قرآن کریم پڑھنے کی نوبت نہیں آئی اس واسطے کہ میرے والد صاحب کے یہاں پڑھنے سے زیادہ اہم اختلاط سے حفاظت تھی،اسی واسطے قرآن پاک اب تک فارسی ہی میں پڑھ رہا ہوں،میرے ابا جان کے خاص شاگردوں میں ایک صاحب حافظ ابراہیم صاحب رسولپوری بھی تھے جو گنگوہ میں ابا جان کے پاس پڑھا کرتے تھے،قرآن پاک اچھا پڑھتے تھے،ایک دن کے واسطے ہماری شاگردی ان کے حوالے ہوئی اور سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے،ہوا یہ کہ اس دن میری اپنی والدہ صاحبہ سے لڑائی ہوگئی،ایک پیسہ کہیں سے آ گیا تھا،اس میں ایک طرف تو سکہ تھا،دوسری طرف تلوار کا نشان تھا،مجھے بہت اچھا لگتا تھا،میں نے والدہ مرحومہ کے پاس امانت رکھوایا تھا،ان کو کچھ اہمیت نہ ہوئی،انہوں نے خرچ کر ڈالا،ایک دن پہلے اس سیہ کار نے ان سے مانگا انہوں نے فرمایا کہ وہ تو خرچ ہوگیا کہیں سے آوے گا دیدوں گی،اس زمانہ میں اس قسم کے سکے اکثر آتے رہتے تھے،اپنے غصہ سے تو یہ سیہ کار اب بھی عاجز ہے،غصہ میں رات کو روٹی نہ کھائی،صبح کو والدہ صاحبہ نے جدید استاذ حافظ صاحب مرحوم سے کہلوادیا کہ اس نے رات غصہ میں روٹی نہیں کھائی،حافظ صاحب مرحوم نے فرمایا کہ جا روٹی کھا کر آ،میں نے کہا جی میرا

پیسہ مل جاوے گا تو کھالوں گا، انہوں نے فرمایا اچھا تو کان پکڑ لے اور جب روٹی کھاوے گا چھوڑ دیجئے گا میں نے کان پکڑ لئے، جب حافظ صاحب سبق کے لئے گئے جو آدھ پون گھنٹہ کا تھا اس وقت چھوڑ دیئے، جب دور سے آتے دیکھا تب پکڑ لئے، دو ایک گھنٹہ بعد وہ پھر ابا جان کے پاس سبق کے لئے گئے، پھر چھوڑ دیئے، عصر کی نماز تک یہی قصہ رہا، رات بھی روٹی نہ کھائی تھی اس واسطے ماں پر جو گزرنی چاہئے تھی وہ گذری، دوپہر کو والدہ کو معلوم ہوا کہ حافظ جی نے چھٹی بند کر رکھی ہے کہ جب تک روٹی نہ کھاوے گا چھٹی نہیں ملے گی، اور میری ایک درخواست تھی کہ تلوار کا پیسہ مل جاوے گا تو کھالوں گا، عصر کے بعد جب ابا جان کو یہ قصہ معلوم ہوا تو ہماری یہ ایک روزہ شاگردی ختم ہوگئی، اباجان نے حافظ صاحب کو فرمایا کہ ''حافظ جی تربیت کے لئے تو میں خود کافی ہوں، آپ کے سپرد تو اس وجہ سے کیا تھا کہ آپ کے سامنے بیٹھ کر یہ یاد کرتا رہے گا،، تو حضرت کی شاگردی تو یہیں ختم ہوگئی، لیکن اس کے بعد حضرت شیخ کی تربیت ان کے والدین نے اس طرح کی کہ وہی استاذ بعد میں حضرت شیخ سے بیعت ہوئے۔

عقلاء کہتے ہیں کہ بچپنے میں جو عادت بن جاتی ہے اچھی ہو یا بری جب وہ مضبوط ہوجاتی ہے تو پھر اس کا مصداق بن جاتی ہے کہ ''جبل گردد جبلت نہ گردد،، اسی مناسبت سے ایک واقعہ جو شیخ سعدیؒ نے تحریر کیا ہے نقل کرتا ہوں۔

شیخ سعدیؒ لکھتے ہیں کہ عرب کے چوروں کی ایک جماعت ایک پہاڑ کی

چوٹی پر بیٹھی ہوئی تھی، اور قافلہ والوں کا راستہ بند کردیا تھا، اور شہروں کی رعایا (عوام) ان کی مکاریوں سے ڈرتی تھی اور بادشاہ کا لشکر عاجز اور بے بس تھا، اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنا ٹھکانہ ایک پہاڑ کی مضبوط چوٹی پر بنایا تھا، اس طرف کے ملکوں کے عقلمندوں نے ان کے نقصانات کے دفع کرنے کے لئے مشورہ کیا کہ اگر اسی طرح یہ جماعت ایک زمانہ تک یہاں ٹھہری رہے گی تو مقابلہ کرنا دشوار ہو جائے گا۔

درختے کہ اکنوں گرفت ست پائے　　بہ نیروے شخصے بر آید ز جائے

کہ وہ درخت کہ جس نے ابھی جڑ پکڑی ہے، ایک شخص کی طاقت سے اپنی جگہ سے نکل آئے گا، خیر، بات اس پر طے ہوئی کہ ایک شخص کو ان کی جاسوسی کے لئے مقرر کردیا اور فرصت وموقع کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ ایک وقت وہ ایک قوم کو لوٹنے گئے تھے اور وہ جگہ خالی رہ گئی تھی تھوڑے سے آزمودہ کار اور تجربہ کار آدمیوں کو بھیجا یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ گئے، رات کے وقت جبکہ چور سفر کرکے اور لوٹا ہوا مال لے کر واپس آئے تو جسم سے ہتھیار کھول ڈالے اور لوٹ کا سامان رکھ دیا، پہلا دشمن جوان پر حملہ آور ہوا نیند تھی یہاں تک کہ ایک پہر رات گذر گئی، بہادر لوگ کمین گاہ سے باہر آئے اور ایک ایک کے ہاتھ مونڈھوں پر باندھ دیئے، صبح کے وقت بادشاہ کے دربار میں حاضر کیا سب کو مار ڈالنے کا حکم فرمایا اتفاقاً ان سب میں ایک ایسا نوجوان تھا اس کی جوانی کی شروعات کا میوہ نورسیدہ تھا اور اس کے رخساروں کے باغ کا سبزہ نیا اگا ہوا تھا، وزیروں میں سے ایک وزیر

نے بادشاہ کے تخت کے نیچے کی زمین کو بوسہ دیا اور سفارش کرنے کے لئے چہرہ زمین پر رکھ دیا اور کہنے لگا کہ اس لڑکے نے اوروں کی طرح زندگی کے باغ سے پھل نہیں کھایا ہے، اور آغاز جوانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا ہے، خداوندی اخلاق و کرم سے مجھے امید ہے کہ اس کا خون معاف کر کے بندہ پر احسان رکھیں گے، بادشاہ نے اس بات سے چہرہ پھیر لیا اور وزیر کی بات اس کے بلند رائے کے موافق نہیں آئی اور کہا ''پرتو نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بدست، تربیت نااہل راچوں گردگاں بر گنبد ست،، کہ جس کی بنیاد بری ہو وہ نیکوں کی خصلت قبول نہیں کرتا، نااہل کی تربیت ایسی ہی ہے جیسے گنبد پر اخروٹ ہے۔

وزیر نے یہ بات سنی مجبوراً اس کو پسند کیا اور بادشاہ کی بہترین رائے کی تعریف کی اور کہا آپ کی بات لاجواب ہے کہ اگر ان بروں کی صحبت میں یہ تربیت پاتا تو یہ بھی ان ہی میں سے ایک فرد ہوتا مگر بندہ کو امید ہے کہ نیکوں کی صحبت سے تربیت قبول کرے گا، اور عقلمندوں کی عادت اپنالیگا، کیونکہ یہ ابھی بچہ ہے اور اس قوم کی عادت اس کی ذات میں جگہ پکڑنے والی نہیں ہے، اور حدیث میں ہے کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں، اور کہا ۔

پسر نوح بابداں بنشست خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند پیئے نیکاں گرفت مردم شد

اس نے یہ بات کہی اور بادشاہ کے ہم نشینوں میں سے ایک جماعت سفارش کرنے میں اس کے ساتھ ہوگئی، یہاں تک کہ بادشاہ نے اس کے قتل کا ارادہ چھوڑ دیا اور کہا میں نے اس کو معاف کردیا اگرچہ مصلحت نہیں دیکھتا ہوں، خلاصۂ کلام یہ کہ لڑکے کو ناز ونعمت کے ساتھ پالا اور ادب سکھانے والے استاذ کو اس کی تعلیم کے لئے مقرر کیا یہاں تک کہ عمدہ طور سے بات کرنا اور بات کا جواب دینا اور شاہانہ خدمت کے آداب اس کو سکھا دیئے، ایک مرتبہ وزیر اس کی کچھ اچھی عادتوں کا ذکر بادشاہ کے دربار میں کررہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ عقلمندوں کی تعلیم نے اس میں اثر کیا ہے اور قدیم جہالت اس کی طبیعت سے نکل گئی ہے، بادشاہ کو اس بات سے ہنسی آگئی اور کہنے لگا ''عاقبت گرگ زادہ گرشود گرچہ باآدمی بزرگ شود

آخرکار بھیڑیئے کا بچہ بھیڑیا ہی ہوگا، اگرچہ آدمی کے ساتھ رہ کر بوڑھا ہوجائے، دوسال اس پر گذرے کہ محلے کے بدمعاشوں کا ایک گروہ اس سے مل گیا اور دوستی کا عہد باندھا یہاں تک کہ موقعہ پاکر وزیر اور وزیر کے دونوں صاحبزادوں کو مارڈالا اور بے انتہا مال ودولت اٹھالے گیا، اور چوروں کی گھاٹی میں باپ کی جگہ بیٹھ گیا اور نافرمان ہوگیا بادشاہ نے حسرت کا ہاتھ دانتوں میں دبا کر کہا ''شمسیر نیک زآہن بد چوں کند کسے

ناکس بتربیت نشود اے حکیم کس

باراں کہ در لطافت طبیعتش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

اچھی تلوار خراب لوہے سے کوئی کیسے بنا سکتا ہے، اے عقلمند! نالائق تعلیم دینے سے لائق نہیں ہوسکتا، بارش کہ جس کی طبیعت کے لطیف ہونے میں اختلاف نہیں ہے، وہ باغ میں لالہ اگاتی ہے اور بنجر زمین میں گھاس پھونس

زمین شورہ سنبل بر نیارد　　در و تخم عمل ضائع مگرداں

بنجر زمین سنبل نہیں اگا سکتی، اس میں کوشش کا بیج مت ضائع کر

نکوئی با بداں کردن چناں ست　　کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

بروں کے ساتھ نیکی کرنا ایسا ہی ہے جیسے نیک لوگوں کے ساتھ برائی کرنا

(گلستان سعدیؒ حکایت نمبر۴)

بچوں کی تربیت کے مدارج اور اسکے طریقے

(۱) حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے بچے کو کلمہ شریف سکھادو، خواہ ایک ہی کلمہ ہو، جس کو عورتیں بہت آسانی سے سیکھا سکتی ہیں۔

(۲) بچہ کو احکام کی زبانی تعلیم بھی دیتی رہے مثلاً اللہ تعالی سے دعا مانگنا اور یہ بتلانا کہ اللہ تعالی ہی رزق دیتے ہیں، اور خدا تعالی کی صفات بتلاؤ مثلاً سب چیزوں کو انہوں نے پیدا کیا وہی جلاتے ہیں ان کو تمام چیزں کی خبر ہے۔

(۳) اگر بچہ شرارت کرے تو کہو کہ اللہ تعالی خفا ہوں گے اور جو علوم ان کے مناسب ہیں عورتیں ان کے ذہن میں ڈال سکتی ہیں بار بار کہتے رہنے سے بچہ کو یقین ہو جائے گا کہ خدا تعالی کو سب چیزوں کی خبر ہے، نیز ان کے خیالات درست کریں، جب ان کو اور ہوش ہو تو چھوٹی چھوٹی سورتیں قرآن شریف کی یاد کرادیں۔

(۴) جب سات برس کے ہوں تو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلادیں اور دس برس کی عمر میں تنبیہ کر کے پڑھوائیں، لیکن اب تو نماز کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہیں کہتا، اگر کوئی بچہ اسکول کے امتحان میں فیل ہو جائے تو اس پر افسوس ہوتا ہے لیکن اگر نماز سال بھر تک نہ پڑھے تو ذرا بھی افسوس نہیں ہوتا اسلام زبان حال سے شکایت کر رہا ہے کہ افسوس! میری طرف بالکل توجہ نہیں رہی۔

میں تم کو غیرت دلاتا ہوں یہ بتلائیے کہ اس کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیوں نہیں کی جاتی؟ کیا یہود و نصاری اس کی حفاظت کریں گے؟ یا

ہندو مجوس اس کی حمایت کریں گے، جب اپنے سامان کی مالک ہی حفاظت نہ کرے تو اور کون کرے گا؟ الغرض! بچوں کی تعلیم کی ابتداء نماز سے کی جائے، اور اس کو عادت ثانیہ بنایا جائے، جب بچہ دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو تنبیہ کرو، غرض بچپن ہی میں نماز کا طریقہ تعلیم کرو۔

(۵) جب سیانا ہو جائے لڑکا ہو یا لڑکی اس کو علم دین پڑھائیں۔

(٦) بچوں کو شروع ہی سے اس کا پابند کیجئے کہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھا کریں۔

(۷) اسی طرح بچوں میں بچپن سے یہ بات پیدا کیجئے کہ ان کو مسلمانوں سے اجنبیت نہ ہو، ان کو غریبوں سے ملنے جلنے کی تعلیم دیجئے تا کہ ان کی حقارت پیدا نہ ہو، یہ مادہ بچپن ہی سے پیدا کرو کہ غریبوں سے نفرت نہ ہو، یہ باتیں بچپن ہی سے پیدا ہوگی بڑے ہونے کے بعد پھر ذرا دشوار ہے۔

(۸) بچوں کو اس کی بھی تاکید کیجئے کہ لباس خلاف شرع نہ پہنیں، دوسری قوموں کی وضع (فیشن) نہ اختیار کریں۔

(۹) روزانہ کوئی وقت نکال لو جس میں کسی کام کا کوئی حرج بھی نہ ہو اس میں کوئی کتاب بچہ کو دے دیجئے کہ وہ خود پڑھے یا آپ اس کو پڑھ کر سنائیں، کوئی دن اس سے خالی نہ ہو۔

(۱۰) کبھی دو دن چار دن کے لئے جب اسکول کی چھٹی کا زمانہ ہو اہل اللہ

کی صحبت اختیار کریں۔

(۱۱)اس کے عمل کی بھی نگرانی رکھے مثلاً اگر غیبت کرے تو روک دیجئے اور کہئے کہ یہ بری چیز ہے اس سے ان کو نفرت دلائیے، ان سے تکبر کی شان ظاہو ہوتو روک دیجئے، اور بتلائیے کہ اس میں یہ خرابی ہے، جھوٹ بولے تو اس کی خرابی بتلائیے، جماعت کی نماز چھوڑنے پر تنبیہ کیجئے۔

(۱۲)لالچ سے بچائیے، کسی کے پاس بچہ کوئی چیز دیکھے تو اپنی حیثیت کے موافق اس کو پسندیدہ چیز خود منگوا کر اس کو دے۔

(۱۳)جب وہ ضد کرے تو ہرگز اس کی ضد پوری نہ کرے تا کہ ضد کرنے کی عادت چھوٹ جائے (بلکہ پیدا نہ ہونے پائے)

(۱۴)اس کو عادت ڈالے کہ کوئی چیز تنہا نہ کھائے بلکہ دوسرے بچوں کو تقسیم کر کے کھائے، اور اس کے لئے یہ رعایت رکھنا ضروری ہے کہ جو چیز اس کو دے چاہے پیسہ ہو یا اور کوئی چیز اس کو مالک نہ بنائے، کیونکہ مالک ہوجانے کے بعد نابالغ کو تبرع کرنا کسی کو ہدیہ دینا جائز نہیں بلکہ اباحت کے طور سے دے یعنی کھانے کی اجازت دے اور مالک نہ بنائے تا کہ دوسروں کو دینا اور ان کا دوسروں کو لینا جائز رہے۔

(۱۵)اسے سکھائے کہ جو بھی مسلمان ملے اسے سلام کرے۔

(۱۶)پردہ اور حیا کی اس کو تعلیم دے۔

(۱۷) لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک جگہ نہ کھیلنے دے اگر وہ نا محرم ہے تو آئندہ کے مفاسد کی روک تھام ہے، اور اگر وہ محرم ہیں تو لڑکیوں میں بے حیائی پیدا ہونے کا اور لڑکوں میں نقصان عقل کا احتمال ہے۔

(۱۸) خود بھی بچوں کے سامنے کوئی نامناسب کام یا بے حیائی کا کام نہ کرے گو بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ بول بھی نہ سکتا ہو، کیونکہ اس فعل کا عکس اس کے دماغ میں نقش ہو جاتا ہے، پھر اس کا اثر بڑے ہو جانے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۹) ہنسی، دل لگی کی عادت اس میں نہ پیدا ہونے دے کیوں کہ اس سے بیبا کی پیدا ہوتی ہے۔

(۲۰) اس کا اہتمام رکھے کہ سیانے بچوں میں دوستی نہ پیدا ہونے پائے کیونکہ اس سے مفاسد اور خرابیاں بے شمار ہوں گی اور اگر ان کے باہم کھیلنے کی کوئی مصلحت ہو تو اس کھیل کے وقت خود حاضر رہیں بعد میں میل جول نہ ہونے دیں۔

(۲۱) اس کی عادت ڈالے کہ وہ چھپ کر کوئی کام نہ کریں، چھپ کر بچہ وہی کام کرے گا جس کو برا سمجھے گا تو گویا شروع ہی سے وہ برا کام کرنے کا عادی ہو جائے گا۔

(۲۲) اس کی بھی عادت ڈالے کہ سخن پروری یعنی خواہ مخواہ کی طرفداری کبھی نہ کرے، حق واضح ہو جانے کے بعد گو اپنے سے کم درجہ کا آدمی اس پر مطلع کرے لیکن فوراً اس کی بات مان لے، اور ہر بات میں اس کو تواضع و خاکساری کی

عادت ڈالے۔

(۲۳)اس کی بھی عادت ڈالے کہ اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس کا اقرار کرلیا کرے،اور اگر وہ غلطی متعدی ہو یعنی کسی دوسرے سے اس کا تعلق ہو تو صاحب حق سے معاف کروایا جائے،اس کی عادت ڈالنا بہت ضروری ہے کیونکہ اس میں اس کے دین کی سلامتی اور دنیا کی راحت وعزت ہے،اور اس میں پیچھے ہٹنا تکبر اور ہمیشہ کے لئے ذلت ونفرت کا سبب بنتا ہے۔

(۲۴)اگر خود دودھ نہیں پلا سکتی تو نیک بخت دیندار عورت کا دودھ پلائے،دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

(۲۵)عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں کہیں اور ڈراونی چیزوں سے یہ بری بات ہے اس سے بچہ کا دل بے حد کمزور ہوجاتا ہے۔

(۲۶)اس کے دودھ پلانے کے لئے اور کھلانے کے لئے وقت مقرر رکھو تا کہ وہ تن درست رہے۔

(۲۷)اس کو صاف ستھرا رکھو کیونکہ اس سے تن درستی رہتی ہے۔

(۲۸)اس کا بہت زیادہ بناؤ سنگار نہ کرو۔

(۲۹)اگر لڑکا ہے تو اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ۔

(۳۰)اگر لڑکی ہے تو اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہوجائے زیور مت پہناؤ،اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے،دوسرے بچپن ہی سے

زیور کا شوق دل میں پیدا ہونا اچھا نہیں۔

(۳۱) بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا، کپڑا پیسے اور ایسی چیزیں دلوایا کرو۔

(۳۲) زیادہ کھانے والوں کی برائی اس کے سامنے کیا کرو، مگر کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو حبشی کہتے ہیں اس کو بیل سمجھتے ہیں۔

(۳۳) اگر لڑکا ہو تو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں، تم ماشاءاللہ مرد ہو ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو۔

(۳۴) اگر لڑکی ہو جب بھی بہت تکلف کے کپڑوں کی عادت اس کو مت ڈالو۔

(۳۵) اس کی سب ضدیں پوری مت کرو کیونکہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

(۳۶) چلّا کر بولنے سے روکو خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلّانے پر خوب ڈانٹو ورنہ بڑی ہو کر وہی عادت ہو جائے گی۔

(۳۷) جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کپڑے یا کھانے کے عادی ہیں ان کے پاس بیٹھنے سے اور ان کے پاس

کھیلنے سے ان کو بچاؤ۔

(۳۸) اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے تو مناسب سزا دو تا کہ پھر ایسا نہ کرے ایسی باتوں میں دلار پیار بچوں کو کھو دیتا ہے۔

(۳۹) بہت جلدی مت سونے دو۔

(۴۰) جلدی جاگنے کی عادت ڈالو۔

(۴۱) جب سات برس کی عمر ہو جائے نماز کی عادت ڈالو۔

(۴۲) مکتب میں جانے میں کبھی رعایت نہ کرو۔

(۴۳) جہاں تک ہو سکے دیندار استاذ سے پڑھواؤ۔

(۴۴) وقفے وقفے سے ان کو نیک لوگوں کی حکایتیں (قصے) سنایا کرو۔

(۴۵) ان کو ایسی کتابیں مت دو جن میں عاشقی معشوقی کی باتیں یا شریعت کے خلاف مضمون یا اور بیہودہ قصے یا غزلیں ہوں۔

(۴۶) ایسی کتابیں پڑھواؤ جس میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کاروائی آجائے۔

(۴۷) مکتب سے آنے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لئے اس کو کھیلنے کی اجازت دو تا کہ اس کی طبیعت اکتا نہ جائے لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو، جھوٹ بولنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۴۸) آتش بازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسہ مت دو۔

(۴۹) کھیل تماشہ دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

(۵۰) اولاد کو ضرور کوئی ایسا ہنر سکھلا دو جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسہ حاصل کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گزارہ کر سکے۔

(۵۱) لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھلا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔

(۵۲) بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں، اپاہج اور سست نہ ہو جائیں، ان سے کہو کہ رات کا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھائیں، صبح کو جلدی اٹھ کر تہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں کپڑوں کی گھڑی اپنے انتظام میں رکھیں، کپڑے خواہ میلے ہوں یا صاف ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے چوہے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۵۳) لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح جب اٹھو دیکھ بھال لیا کرو۔

(۵۴) لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے سینے پرونے کپڑے رنگنے کوئی چیز بُننے کا گھر میں ہوا کرے اس کو غور سے دیکھا کرو کہ کیسے ہو رہا ہے۔

(۵۵) جب بچے سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباشی دو، پیار کرو بلکہ اس کو کچھ انعام دو تا کہ اس کا دل بڑھے، اور جب اس کی بری بات دیکھو تو تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بری بات ہے دیکھنے والے دل میں کیا کہتے

ہوں گے، اور جس جس کو معلوم ہوگا وہ کیا کہے گا، خبردار پھر آئندہ مت کرنا، اچھے لڑکے ایسا نہیں کیا کرتے، اور اگر پھر وہی کرے تو مناسب سزا دو۔

(۵۶) بچہ کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو، کھیل ہو یا کھانا اس سے کہو کہ سب کے سامنے کھائے پیئے۔

(۵۷) چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

(۵۸) اس کو عاجزی انکساری اختیار کرنے کی عادت ڈالو، زبان سے، چال سے، برتاؤ سے شیخی نہ بگھارنے پائے۔

(۵۹) کبھی کبھی اس کو دو چار پیسے دیدیا کرو تا کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے، مگر اس کی یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

(۶۰) اس کو کھانے کا طریقہ اور محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھلاؤ۔

(۶۱) ماں باپ خود بھی خیال رکھیں اور جو مرد یا عورت بچہ پر نگراں مقرر ہو وہ بھی خیال رکھے کہ بچہ ہر وقت صاف ستھرا رہے، جب ہاتھ منہ میلا ہو جائے فوراً دھلادے۔

(۶۲) بچہ کو منجن مسواک کی عادت ڈالیں۔

(۶۳) پڑھنے والے بچوں کو کوئی چیز دماغ کی طاقت کی ہمیشہ کھلاتی رہو۔

(۶۴) بچوں کو ہنسی میں مت اچھالو، اور کسی کھڑکی وغیرہ سے مت لٹکاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے چھوٹ جائے، اسی طرح ان کے پیچھے ہنسی میں مت

دوڑو،شاید گر پڑیں اور چوٹ لگ جائے۔

(۶۵)اچھے کھانے پینے کی عادت مت ڈالو،ہمیشہ ایک سا وقت نہیں رہتا،پھر کسی وقت بہت مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔

(۶۶)اگر بچہ کسی کا قصور غلطی سے کرے تو تم کبھی اپنے بچہ کی طرفداری مت کرو خاص طور پر بچے کے سامنے ایسا کرنا بچہ کی عادت خراب کرنا ہے۔

(۶۷)بچہ کو سزا دینا ہو تو موٹی لکڑی یا لات گھوسہ سے مت مارو،نیز چہرہ اور سر پر بھی مت مارو۔

(۶۸)بچوں کو ماں باپ بلکہ دادا کا نام بھی یاد کرادو اور کبھی کبھی پوچھتے رہا کرو تا کہ اس کو یاد رہے،اس میں یہ فائدہ ہے کہ اگر خدانخواستہ بچہ کھو جائے اور کوئی اس سے پوچھے کہ تو کس کا بچہ ہے تیرے ماں باپ کون ہیں تو اگر بچہ کو نام یاد ہوں گے تو بتلا دے گا،اور کوئی نہ کوئی اس کو گھر تک پہنچا دے گا۔

(۶۹)بعض اوقات اگر ایک بات کو نرمی سے سمجھایا جائے تو دل پر اس کا اتنا اثر نہیں ہوتا اور نہ وہ اتنی مدت تک یاد رہتی ہے جتنا کہ سختی سے سمجھانے سے نقش کالحجر(پتھر کی لکیر کی طرح)ہو جاتی ہے،بعض لوگوں کی سختی کے بغیر اصلاح نہیں ہوتی ایسی حالت میں اگر سختی نہ کی جائے تو خیانت ہے،اگر سختی کرنا بداخلاقی ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی صادر نہ ہوتی،حالانکہ بعض مواقع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سختی کرنا ثابت ہے۔(تربیت اولاد بتغیر)

ماں باپ کا ظلم اور زیادتی

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ غضب یہ ہے کہ بعض دفعہ چھوٹوں پر بھی بری طرح غصہ کیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے بس ہوتے ہیں ان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہیں ہوسکتا، بچوں پر جو ظلم ماں باپ کی طرف سے ہوتا ہے وہ اسی طرح کا ہے بعضے ماں باپ ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ بچہ کو اس طرح مارتے ہیں جیسے کوئی جانور کو مارتا ہے بلکہ جیسے کوئی چھت کوٹتا ہے اور اگر کوئی منع کرے تو کہتے ہیں کہ ہمیں اختیار ہے ہم اس کے باپ بھی ہیں۔

یاد رکھئے! باپ ہونے سے ملک رقبہ یعنی اس کی جان کی ملکیت حاصل نہیں ہوتی ورنہ یہ بھی ہوتا کہ باپ بیٹے کو بیچ لیا کرتا، باپ کا رتبہ حق تعالی نے بڑا کیا ہے اس واسطے نہیں کہ چھوٹے اس کی ملک ہوں اور اس سے چھوٹوں کو تکلیف پہنچے بلکہ اس واسطے کہ چھوٹوں کی پرورش کرے اور ان کو آرام دے ہاں کبھی اس آرام دینے کی ضرورت سے سزا اور تنبیہ کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کی اجازت ہے۔

سزا میں کتنی مار سکتے ہیں

تنبیہ کرنے اور سزا دینے کی ضرورت پڑتی ہے اس کی اجازت ہے اور ''الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ،، یعنی ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہوتا ہے کہ قاعدے سے اتنی ہی تادیب (سزا) دینے کی اجازت ہوسکتی ہے جو پرورش اور

تربیت میں مفید ہو نہ اتنی جو کہ درجہ ایلام (سخت تکلیف اور مصیبت) تک پہنچ جائے۔

اور ماں باپ سے ایسی زیادتی گناہ ہونے کے علاوہ انسانیت اور فطرت کے بھی خلاف ہے، ماں باپ کو تو حق تعالی نے محض رحمت بنایا ہے ان سے ایسی زیادتی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص انسانیت سے بھی خارج ہے، ضرب فاحش (سخت مار) سے فقہاء نے صراحتاً منع فرمایا ہے اور جس مار سے کھال پر نشان پڑ جائے اس کو بھی فقہاء نے ضرب فاحش میں داخل کیا ہے، اور جس مار سے ہڈی ٹوٹ جائے یا کھال پھٹ جائے وہ بدرجہ اولی منع ہے، لیکن ضرب فاحش سے خود استاذ (باپ) کو تعزیر (یعنی سزا) دی جائے گی۔

غصہ میں ہرگز نہیں مارنا چاہئے

غصہ کو جہاں تک ہو سکے روکو، غصہ کی حالت میں حواس درست نہیں رہتے اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، غصہ کے وقت طبیعت بھڑک اٹھتی ہے اور اس کی برائیاں اور نقصانات پیش نظر نہیں رہ جاتے...... تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ غصہ کا روکنا ہمیشہ اچھا ہوا ہے اور جب غصہ کو جاری کیا گیا ہے تو ہمیشہ اس کا انجام برا ہوا ہے جب غصہ آئے تو ہرگز کسی قول و فعل میں جلدی نہ کرے، حدیثوں میں بھی غصہ کے وقت فیصلہ کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

غصہ میں بچوں کو ہرگز نہ مارا جائے بلکہ غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد سوچ

سمجھ کر سزا دی جائے، میں بھی غصہ کے وقت کوئی فیصلہ نہیں کرتا غصہ ختم ہو جانے کے بعد جب تک تین چار بار غور نہیں کر لیتا کہ واقعی یہ سزا کا مستحق بھی ہے اس وقت تک سزا نہیں دیتا۔

سزا دینے میں ظلم وزیادتی نہ ہونے پائے اس کی تدبیر

حضرت تھانویؒ سے دریافت کیا گیا کہ سزا دینے میں زیادتی ہو جاتی ہے اور بعد میں پچھتانا پڑتا ہے کوئی ایسی تدبیر ارشاد فرمائیں جس سے زیادتی نہ ہو۔

فرمایا بہتر تدبیر یہ ہے کہ زبان سے کچھ کہنے یا ہاتھ بڑھانے سے پہلے یہ سوچ لیا جائے کہ فلاں فلاں لفظ میں کہوں گا یا ماروں گا پھر اس کا التزام کیا جائے کہ جتنا سوچا ہے اس سے زیادہ نہ ہو جائے۔

سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ غصہ میں نہ مارا کریں جب غصہ جاتا رہے تو سوچا کریں کہ کتنا قصور ہے، اتنی سزا دے دینی چاہئے یہ تو سلامتی کی بات ہے ورنہ لڑکے قیامت میں بدلہ لیں گے، ناحق ستانے کا بڑا گناہ ہے۔

ایک عورت نے ایک بلی کو ستایا تھا جب وہ مر گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ عورت جہنم میں ہے اور وہ بلی اس کو نوچتی ہے جب بلی کو ستانے سے وہ عورت دوزخ میں گئی تو لڑکے تو انسان ہیں۔

اگر بہت زیادہ غصہ آئے تو کیا کریں

اگر بہت زیادہ غصہ آئے تو اس کو چاہئے کہ اس کے سامنے سے خود ہٹ

جائے یا اسے ہٹا دے اور ٹھنڈا پانی پی لے، اور اگر زیادہ غصہ ہو تو یہ سوچ لے کہ اللہ تعالی کے بھی ہمارے اوپر حقوق ہیں اور ہم سے بھی غلطی ہوتی رہتی ہے جب وہ ہمیں معاف کرتے رہتے ہیں تو ہم کو بھی چاہیئے کہ اس شخص کی غلطی سے درگزر کردیں ورنہ اگر حق تعالی بھی ہم سے انتقام لینے لگیں تو ہمارا کیا حال ہو۔

سزا دینے میں ظلم وزیادتی ہوگئی تو اس کی تلافی کا طریقہ

اگر کوئی اپنی زیادتی اور ظلم کی تلافی کرنا چاہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ سزا دینے کے بعد بچوں کے ساتھ شفقت کرو، اور جس پر زیادتی کی ہے اس کے ساتھ احسان کرو یہاں تک کہ وہ خوش ہو جائے جیسے میرٹھ کے ایک رئیس نے ایک نوکر کے ایک طمانچہ مار دیا تھا پھر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس کو ایک روپیہ دیا پھر دوسرے نوکر سے کہا کہ اس سے پوچھنا اب کیا حال ہے، کہنے لگا کہ میں تو دعا کررہا ہوں کہ ایک طمانچہ روز لگ جایا کرے، بس تلافی کا یہ طریقہ بہت اچھا ہے اس سے بچوں کے اخلاق پر بھی برا اثر نہ ہوگا اور ظلم کا دفعیہ بھی ہو جائے گا۔

اگر اولاد نے تنگ کر رکھا ہو تو کیا کرے

بچہ کی تعلیم وتربیت کرنا چاہئے لیکن یہ ایسی چیز ہے کہ کسی کے قبضہ واختیار میں نہیں، بعض دفعہ لاکھ کوشش کرو مگر اولاد نالائق ہی ہوتی ہے، فرمایا ایک صاحب نے تحریر کیا ہے کہ میرا لڑکا آوارہ ہوگیا ہے مجھ کو اس سے بہت پریشانی ہے کیا تدبیر کروں۔

میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ تدبیر تو کرو مگر اس پر ترتب ثمرہ یعنی نتیجہ مرتب ہونے کا انتظار نہ کرو، پریشانی ختم ہونے کی تدبیر اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تدبیر تو کرتا رہے مگر ثمرہ مرتب ہونے کی فکر چھوڑ دے۔

یہ جواب نصوص یعنی قرآن وحدیث کے موافق ہے کوئی آزاد مشرب ہوتا تو یہ جواب لکھتا کہ تدبیر ہی چھوڑ دو مگر ایسا کرنا حق شفقت کے خلاف ہے، باقی ثمرہ کی فکر سو بات یہ ہے کہ اگر محبوب سے یعنی اللہ سے دل لگ جائے تو ایسی سب فکریں آپ سے آپ چھوٹ جائیں، لیکن طبعی طور پر اولاد کے بگڑنے کا رنج ضرور ہوتا ہے تو اس رنج پر بھی اجر وثواب ملتا ہے۔

بچے اگر ناجائز کام کے لئے ضد کریں

اگر سچ مچ بچے ضد ہی کرتے ہوں تب بھی یہ عذر قابل قبول نہیں، دیکھو! اگر تمہارا بچہ باغیوں میں شامل ہو کر گولا چھوڑنے لگے تو تم اس کو روکو گے یا نہیں؟ ضرور روکو گے، اگر نہ مانے گا تو زبردستی روکو گے، اسی طرح یہاں کیوں نہیں روکا جاتا، اگر تم خود مصیبت کو برا سمجھتے ہو تو بچوں کو اس کی عادت کیوں ڈالتے ہو، بھلا بچے اگر ضد کر کے سانپ مانگنے لگیں تو کیا دے دو گے؟ پھر جس کو خدا اور رسول نے مضر (گناہ) فرمایا ہے کیا وجہ ہے کہ اس کی عادت ڈالی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ خدا اور رسول کے فرمان کی عظمت نہیں۔

بچوں کی آتش بازی کے لئے پیسے دینا شرعاً حرام ہے، تم دینے والے کون

ہوتے ہو، یہ مال تمہارا کہاں ہے، سب خدا ہی کی ملک ہے تم محض خزانچی ہو، ہمیں یہ اجازت نہیں کہ اس کو جیسے چاہیں خرچ کریں، خدا کا مال ہے اس کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا کہ تم نے کہاں خرچ کیا، پس بچوں کو آتش بازی اور ناجائز کام کے لئے پیسے ہرگز مت دو، اور ضد کرنے پر مارو (ناجائز) کھیل تماشہ کے پاس بھی ان کو مت کھڑا ہونے دو۔

ایک بچہ والدین سے ضد کرنے لگا کہ میں تو فلاں چیز لوں گا، والدین نے اس کا انتظام کر دیا، پھر ضد کرنے لگا کہ میں وہ چیز کھاؤں گا وہ بھی لا کر رکھ دی، جب ساری ضدیں پوری ہوگئیں تو کہنے لگا یہ چاند کیوں نکل رہا ہے اس کو چھپاؤ والدین یہاں عاجز ہوگئے اور دو چار طمانچے مار کر اسے خاموش کیا۔ (تربیت اولاد)

تحقیق میں اہم نتیجہ سامنے آ گیا

دنیا میں دو طرح کے والدین ہوتے ہیں ایک دین پر چلنے والے اور دوسرے آزاد خیال، دنیا آزاد خیال والدین کو اچھا تصور کرتی ہے اور ایسے بچوں کو خوش نصیب تصور کرتی ہے جس کے والدین لبرل ہو آزاد خیال ہو، حالانکہ جدید تحقیق کچھ اور کہتی ہے، پڑھئے۔

روزنامہ پاکستان جس کے چیف ایڈیٹر مجیب الرحمان شامی ہے وہ ۴ دسمبر ۲۰۲۳ء کے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ لبرل والدین کے بچوں کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے تحقیق میں اہم نتیجہ سامنے آ گیا ہے، انسٹی ٹیوٹ آف

فیملی اسٹڈیز اینڈ گیلپ کی جانب سے کرائے گئے ایک مشترکہ سروے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ لبرل ماں باپ کے ٹین ایج بچوں کو ممکنہ طور پر نفسیاتی مسائل کا سامنا رہتا ہے، غیر ملکی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق لبرل والدین کے نوعمر بچوں کو ذہنی مسائل کا زیادہ امکان ہوتا ہے، آزاد خیال والدین کے اپنی اولاد کے ساتھ تعلقات کا معیار خراب تر ہوتا ہے، اور یہی بات بچوں کی ذہنی نشو ونما پر سب سے زیادہ اثرات مرتب کرتی ہے، ''جنگ،، (اخبار کا نام ہے) کے مطابق ریسرچ اور سروے کرنے والی ٹیم میں سرکردہ محقق جوناتھن روتھ ویل کا کہنا تھا کہ قدامت پسند اور انتہائی قدامت پسند والدین اپنے نوعمر بچوں کی ذہنی صحت کا دھیان رکھنے کے لئے بچوں کی تربیت کے حوالے سے زیادہ خیال رکھتے ہیں، اس معاملے میں لبرل والدین کا اپنے بچوں کی ذہنی صحت کا خیال رکھنے کے معاملے میں سکور سب سے کم ہے، کیونکہ یہ لوگ اپنے بچوں میں نظم و ضبط کی ٹریننگ کے لئے کام نہیں کرتے، تحقیق کے مطابق صرف ۵۵ فیصد لبرل والدین کے بچوں کی ذہنی صحت بہتر پائی گئی جبکہ اس کے مقابلے میں قدامت پرست والدین کے ۷۷ فیصد بچوں کی ذہنی صحت بہتر پائی گئی۔

شکوہ

مفتی محمد یحیی قاسمی استاذ عربی مدرسہ شاہی مراد آباد لکھتے ہیں کہ بات جب قرآن کریم کی فضیلت و برتری کی آتی ہے تو بے ساختہ علامہ ابن کثیرؒ کا یہ جملہ یاد آتا ہے ''اُنزِل اشرفُ الکُتُبِ باشرفِ اللُغاتِ علی اشرفِ الرُسُلِ بِسفارةِ اشرفِ الملائکةِ فی خیرِ بِقاعِ الارضِ وَابتُدِءَ نُزُولُهُ فی رَمَضانَ وھو اشرفُ شُھورِ السنةِ،، قرآن کریم کے لئے عربی زبان کا انتخاب کیا گیا جو روئے زمین پر بولی جانے والی سب سے عمدہ زبان ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا جو افضل الانبیاء والرسل ہیں، سیدنا حضرت جبریل علیہ السلام کی معرفت نازل کیا گیا جو سب سے مقرب اللہ کے فرشتے ہیں، مکہ مکرمہ میں نازل ہوا جو اس دھرتی کا سب سے بہتر خطہ وحصہ ہے، اس کے نزول کی ابتداء رمضان المبارک میں ہوئی جو سال کا سب سے بہتر مہینہ ہے۔

آج کے دور میں حفظ قرآن یا ناظرۂ قرآن پڑھانے والوں کو وہ مقام و مرتبہ نہیں دیا جاتا جس کے وہ مستحق ہیں، حدتو یہ ہے کہ خود قرآن کریم کی تعلیم دینے والا احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے، ایک ایسے ہی صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کیا پڑھاتے ہیں؟ تو بجائے یہ کہ وہ صاف صاف کہتے کہ میں قرآن کریم حفظ یا ناظرہ پڑھاتا ہوں، اپنی خفت وسبکی مٹانے کے لئے کہتے ہیں کہ میں ''متن بیضاوی،، پڑھاتا ہوں، بیضاوی قرآن کریم کی ایک تفسیر ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے ’’خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ،، روئے زمین پر شغل ومشغلے کے اعتبار سے وہ شخص سب سے بہتر ہے جو قرآن سیکھے وسکھلائے (ندائے شاہی نومبر ۲۰۲۳ء ص ۲۶)

ضروری بات

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ فرماتے ہیں کہ مکتب مسلمانوں کے لئے بہت بنیادی چیز ہے، دنیا میں مسلمان جہاں کہیں رہے، جس علاقہ میں جائے اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کرے۔

مکتب میں جو علماء چھوٹے چھوٹے بچوں کو پڑھاتے ہیں، حضرت مولانا یوسف بنوریؒ فرماتے تھے کہ یہی علمائے ربانیین ہیں، میں نے خود حضرت کی زبان سے یہ جملہ سنا تھا کہ یہ مکاتب میں جو مدرسین پڑھارہے ہیں یہ علماء ربانیین میں سے ہیں ’ولکن کونوا ربنیین بما کنتم تعلمون الکتب وبما کنتم تدرسون (آل عمران ۷۹) یہ قرآن کریم کی آیت ہے، اس کے ذیل میں مفسرامت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ عالم ربانی کون ہے؟ تو اشاد فرمایا کہ ’’العالم الذی یعلم الصغار قبل الکبار ،، وہ عالم جو چھوٹے چھوٹے بچوں کو تعلیم دے رہا ہے بڑوں سے پہلے ’’ھذا ھو عالم ربانی،،۔

پچھلے کچھ عرصہ سے گاؤں لاجپور اور اس کے اطراف واکناف کے گاؤں میں مکتب کا وقت جو پہلے ساڑھے دس بجے تک ہوتا تھا اسے اب کم

کر دیا گیا ہے، وجہ، لوگوں کے دل و دماغ پر انگلش میڈیم کا بھوت سوار ہے اور اس معاملہ میں سب اس کوتاہی میں شریک نظر آتے ہیں، کیا عالم کیا غیر عالم۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے

سب اس کی زلفوں کے اسیر ہوئے

والا معاملہ ہے، چلیے، اگر کسی وجہ سے وقت کم کرنا ضروری تھا تو پھر یہ وقت جو کم ہوا یا کیا گیا اس کا کوئی حل نکالنا چاہئے تھا کہ اسکی کسی اور وقت میں بھرپائی کی جاتی، مگر اب تک تو ایسا کچھ نظر نہیں آیا ہے۔

معلم ہونا بڑے شرف کی بات ہے

معلم ہونا بڑے شرف کی بات ہے، پروفیسر عنایت علی خان مرحوم فرماتے ہیں کہ دنیا میں مدرسی سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے، ہمارے بزرگوں نے دو کاموں کو پیشہ نہیں بلکہ خدمت خلق کا ذریعہ بنایا ہے(۱) طب (۲) تعلیم

آج بدبختی سے انہی دو پیشوں میں سب سے بڑھ کر استحصال ہے، لیکن اس سے بہتر کوئی خدمت نہیں ہے یہ جنت بھی ہے اور دوزخ بھی، بچوں کو پڑھایئے، اخلاق سکھایئے، دین سکھایئے تو یہ مدرس کی جنت ہے، شرط یہ ہے کہ مدرس کے سامنے دو لفظ ہمیشہ رہے، ایک م ح ن اور ت محنت یعنی مدرس ایسی محنت کرے کہ اپنے مضمون پر اسے کامل دسترس ہو اگر ایسا ہے تو پھر مجال ہے کہ بچہ ادھر سے ادھر دیکھ لے، وہ مستقل استاذ کی طرف متوجہ رہے گا، چونکہ اس کو کچھ مل رہا ہے، یہ تو ہوئی محنت، دوسری چیز ہے محبت یعنی محنت میں جو نون کا نکتہ اوپر ہے اس نون کے نقطے کو نیچے لے آنا ہے، تو یہ لفظ بن جاتا ہے محبت، اگر استاذ کو اپنے شاگردوں سے ایسی محبت ہے جیسی اپنی اولاد سے ہوتی ہے، جس طرح اپنی اولاد کی مستقبل کی فکر ہوتی ہے ان کی کامیابی کی فکر ہوتی ہے اگر وہی جذبہ محبت کا استاذ کے دل میں شاگرد کے لئے ہیں تو پھر کوئی شاگرد کہیں نہیں جاتا، یہ میں اپنا تجربہ بیان کررہا ہوں، یہ دنیا کا واحد پیشہ ہے جہاں retirement کے بعد عزت بڑھتی ہے، کم نہیں ہوتی، باقی شعبے ہیں ان کے سربراہ ہوتے ہیں، نیک بھی ہوتے ہیں،

ہمدرد بھی ہوتے ہیں لیکن جب تک کرسی پر ہے تب تک عزت ہے، اترنے کے بعد چونکہ ان سے منفعت کی کوئی امید نہیں رہتی اس لئے کچھ نہ کچھ کمی عزت واحترام میں واقع ہو ہی جاتی ہے، لیکن یہ پیشہ وہ پیشہ ہے کہ جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا ہے استاذ کی عزت فزوں ہوتی جاتی ہے، درس گاہ میں بچہ شوخی بھی کرتا ہے، شرارت بھی کرتا ہے لیکن وہی شاگرد بیس سال بعد استاذ کو ملتا ہے تو کیا کوئی مرید اپنے پیر کی محبت اور عزت کرتا ہوگا وہ استاذ کی ایسی عزت کرتا ہے، تو یہ لازوال پیشہ ہے، پیغمبرانہ پیشہ ہے، یوں تو اللہ کے نبی کی ہر شعبہ میں مثال مثالی تھی ''قرآن کریم نے فرمایا **لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة**،، سب کے لئے اسوہ ہے ''**لکم**،، فرمایا ہے کہ تم سب کے لئے لیکن پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا تھا'' **انما بعثت معلما**،، میں تو بھیجا ہی گیا ہوں معلم بنا کر تو یہ پیشہ معلمانہ پیشہ ہے۔

ایک طرف تو یہ بات ہے مگر تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے اور یہ کڑوی سچائی ہے کہ موجودہ دور میں مکاتب و مدارس کے جو منتظمین ہیں ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو علم اور صاحب علم کی یعنی مدرس کی صحیح عظمت اور ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ نہیں کرتے بلکہ بعضا بعضا تو ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور ان کی بے عزتی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، ایسے حالات میں تاحیات اس عظیم شعبے سے منسلک رہنا، استقامت اختیار کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، کتاب ہذا میں جن دس مدرسین کا ذکر خیر ہے انہوں نے ایک طویل عرصہ

اس عظیم شعبے میں اپنی خدمات انجام دی ہیں، یقیناً ان کا بھی ہر طرح کے سرد و گرم حالات سے واسطہ رہا ہو گا پھر بھی انہوں نے استقامت کا ثبوت دیا، احقر ان کی عظمت کو سو سلام پیش کرتا ہے۔ معلم کے تعلق سے احقر کا ایک منظوم کلام ۔

معلم کا یہ احسان ہے
جو سکھاتا حروف کی پہچان ہے
معلم کی شرع میں بڑی شان ہے
ہے وہ تم میں سب سے بہتر آقا کا فرمان ہے
معلم تدریس کی خاطر
کرتا روز و شب اپنے قربان ہے
جو معلم کی عظمت کو نہ پہچانے
سلام وہ بڑا نادان ہے
معلم کے حق میں کرتے دعا
بحر و بر زمین و آسمان ہے
معلم کا درجہ ہے بیشک فضیلت سے پر
مگر دور حاضر میں اس پہ جمنا کہاں آسان ہے
ہے وہ لوگ واقعی مبارکباد کے قابل
جن سے آباد علم کا جہان ہے

جن شخصیات کا کتاب ہذا میں تذکرہ ہے وہ کئی اعتبار سے خوش نصیب تھے (۱) ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا اور صرف ایمان پر ہی خاتمہ نہیں ہوا بلکہ حسن خاتمہ نصیب ہوا (۲) ان میں سے کچھ حضرات تاحیات اور کچھ حضرات ایک طویل عرصہ تک تدریسی خدمت سے وابستہ رہے جس کے متعلق آقائے نامدار نے فرمایا ہے کہ ''**انما بعثت معلما**،، (۳) ان کا نیکیوں کا اکاؤنٹ انتقال کے ساتھ بند نہیں ہو گیا ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا، چونکہ ان سے ہزاروں طلباء نے دین کی بنیادی اور ضروری تعلیم حاصل کی ہیں، ان میں سے کچھ بچے حافظ قرآن، عالم دین، مفتی اور کچھ لڑکیاں عالمہ ہوئی ہیں اور ان سے پھر کئی لوگوں نے دین سیکھا اور اب بھی سیکھ رہے ہیں، اس طرح آگے بھی ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا، یہ سب ان کے حق میں صدقۂ جاریہ ہے، ان شاء اللہ (۴) جن کا ذکر خیر اس کتاب میں ہے ایک طویل عرصہ تک لوگ اسے پڑھتے رہیں گے اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں گے۔

اخیر میں اساتذۂ کرام سے بھی دست بستہ گذارش ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''**انما بعثت معلما**،، میں تو بھیجا ہی گیا ہوں معلم بنا کر اس کو یاد رکھے اس سے مدرس اور تدریس کی ویلو دوبالا ہو جاتی ہے، اللہ تعالی مجھ سمیت تمام اساتذہ کو تدریس کی صحیح منزلت اور اس کے مقام و مرتبہ کو پہچاننے کی توفیق بخشے۔ آمین

کتاب ہذا میں جن دس اساتذۂ کرام کا ذکر خیر ہے، ان کے اسماء اس طرح ہیں

(۱) مولانا عبدالقدوس صاحب دیوان (صوفی) لاجپوریؒ

(۲) قاری عبدالحق بن مولانا عبدالقدوس دیوان (صوفی) لاجپوریؒ

(۳) مولانا ابراہیم پٹیل صاحب لاجپوری نوراللہ مرقدہ

(۴) مولانا یوسف گارڈا صاحب لاجپوری نوراللہ مرقدہ

(۵) الحاج اسماعیل بن مفتی مرغوب احمد صاحب کتھرادا لاجپوریؒ

(۶) مولانا سراج احمد صوفی نوراللہ مرقدہ

(۷) حافظ شبیر بن محمد نالہ بلبلیا لاجپوری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(۸) حافظ عبدالوھاب صوفی رحمہ اللہ

(۹) قاری اسماعیل ڈابھلیا رحمہ اللہ

(۱۰) مولانا عبدالحئی کاسوجی رحمہ اللہ

کتاب ہذا میں ان اساتذۂ کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اب اس دنیا میں نہیں ہے، جو اساتذۂ کرام بقید حیات ہے اللہ پاک ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، ان کا ذکر اس کتاب میں کرنا مقصود نہیں ہے۔

اللہ تعالی احقر کی اس ادنی کاوش کو شرف قبولیت بخشے، نیز کتاب کے تیار کرنے میں جو کمی کوتاہی رہ گئی ہو اللہ تعالی اسے معاف فرمائے، کتاب کی تیاری

میں جن لوگوں نے جس طریق پر بھی امداد فرمائی خاص طور سے رفیق مکرم حافظ قاسم نالہ بلبلیا نے اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اس کا بہترین صلہ نصیب فرمائے، آمین

لاجپور مسلم سوسائٹی کا مختصر احوال
اوراس کی خدمات کی ایک جھلک

کتاب ہذا کی اشاعت کے اخراجات لاجپور مسلم سوسائٹی جو برطانیہ میں قائم ہے جس کی ایک شاخ سرزمین لاجپور میں بھی ہے دونوں کمیٹی مل کر اپنے آباؤ اجداد کے لگائے اس گلشن کی آبیاری کر رہی ہے اور اس کی خوشبو سے اہل وطن فرحت محسوس کرر ہے ہیں نے برداشت کئے ہیں، اللہ تعالی تمام منتظمین سے خوب کام لے، سوسائٹی اور کام کرنے والوں کو سدا سلامت رکھے، آمین

اولاانگریزی زبان میں لاجپور مسلم سوسائٹی کا مختصر احوال پیش کرتا ہوں ۔

(بشکریہ جناب ڈاکٹر ابراہیم دادی بھائی)

short history of lajpur muslim society

uk

muslims from lajpur began arriving in uk from 1951.moulana abdul hai gharda,Ebrahim bhai aswat(degi bhai)hafiz Ebrahim nanla bulbuliya and others were among the first lajpurian settlers in uk,many of them came on ships bound for barbados,docking at Englands sea ports where

passengers were allowed to spend few days in nearby cities.they stayed here for few months and left for barbados after finding difficulties with very cold winter weather.number of lajpurian immigrants kept increasing steadily in years that followed.

after fifteen years,on sunday 29th may 1966 at the nikah ceremony of yusuf suleman dawood (kaka)in jumma masjid bradford road,batley carr,dewsbury around seventy lajpurians had gathered,this was the largest gathering of lajpurians in u.k.thats where it was decided to from lajpur muslim society uk.with purpose of uniting lajpurians in uk.and to assist welfare activities in lajpur.

active members present in that gathering were ismail ibrahim abid(mamaji)ismail diwan, ismail

aswat(mota)molana ahmed aswat,ismail ibrahim kola,ahmedmiyan dadibhai,moulana abdulhai gharda,abdulhai dawood,shafikbhai dawood,master ahmed raje,Ebrahim patel bombaywala,abdulhai aswat, ahmed dadhiwala muhammad aswat,and others.the founding officers of lmws uk were president ismail aswat mota,secretary ahmedmiyan dadibhai and treasurer ismail E, abid mamaji.representatives from other towns were elected as committes members of lmws uk,to communicate with lajpurians residing in their towns,for collecting membership and other donations.

main activities carried out by the lmws uk include, nani masjid.construction of new building jumuah masjid extensive repairs of old building and then construction of new building in 2000

nawi masjid extensive repairs

hussaini khangah masjid construction and reconstruction of new building

water works construction of lajpur water works at chaar rasta

eidgah.extensive wall repairs and floor tiles and wudhu facility

madresa.construction/extension/repairs of three madresa building

education.payment of salaries to teachers of madresah islamiyah

kabrastan.buying new plot and erection of periphery walls at all three cemeteries

school.extension and repairs and furniture/computers at lajpur primary school

medical.funds for medical and surgical treatments generally and during covid pandemic.

brotherhood.funds for ladies sewing classes and sewing machines and welfare activities.

welfare.funds for road works,food packs,flood reliefs and widow funds.

iftaari.food distribution at masjids or muslim homes.

Education.funds for students in primary and higher Education and in darul ulooms.

Emigration.funds/loans for lajpurians Emigrating to foreign countries.

پیچھے جو مضمون انگریزی میں تحریر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ معمولی اضافہ اور ترمیم کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

لاجپور کے مسلمان ۱۹۵۱ء سے برطانیہ آنا شروع ہوئے، سب سے اول یو، کے آنے والوں میں مولانا عبدالحئی گارڈا، حافظ ابراہیم نالہ بلبلیا، ابراہیم بھائی اصوات (ڈیگی) اور دیگر کچھ حضرات تھے، یہ حضرات بار باڈوس جانے والے بحری جہاز پر آئے تھے، جو انگلینڈ کی سمندری بندرگاہوں پر چند دن رکتا تھا، جہاز کے مسافروں کو قریبی شہروں میں کچھ دن گذارنے کی اجازت ہوتی تھی، جہاز سے آنے والے حضرات کچھ مدت تک برطانیہ رہے مگر موسم راس نہ آنے کی بنا پر بار باڈوس کا رخ کیا۔

بعد کے سالوں میں لاجپورین تارکین وطن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا، پندرہ سال بعد اتوار ۲۹ مئی ۱۹۶۶ء کو یوسف سلیمان داؤد (کاکا) کی جامع مسجد بریڈفورڈ میں نکاح کی تقریب تھی، اس میں لاجپور کے تقریباً ۷۰ آدمی جمع تھے، یہ برطانیہ کی سرزمین پر لاجپورین کا سب سے بڑا اجتماع تھا، وہیں لاجپور مسلم ویلفیر سوسائٹی یو، کے بنانے کا فیصلہ کیا گیا جس کا مقصد برطانیہ میں لاجپوریوں کو متحد کرنا اور لاجپور میں فلاحی سرگرمیوں میں مدد کرنا تھا۔

چنانچہ اس طرح لاجپور مسلم سوسائٹی یو، کے کا قیام ۱۹۶۶ء میں عمل میں آیا یعنی دارالعلوم دیوبند کے قیام کے برابر ایک سو سال بعد، دارالعلوم دیوبند کا قیام

۱۸۶۶ء میں عمل میں آیا تھا،سوسائٹی کے سرگرم اراکین میں اسماعیل ابراہیم عابد(ماماجی)اسماعیل ابراہیم کولا،اسماعیل چچا کاسوجی،اسماعیل دیوان،اسماعیل اصوات(موٹا)یوسف چچا داڑھی والا،مولانا احمد اصوات،مولانا عبدالحئی گارڈا،عبد الحئی داوٗد،شفیق داوٗد،ماسٹر احمد راجے،ابراہیم پٹیل بمبئی والے،احمد میاں دادی بھائی،عبدالحئی اصوات،احمد داڑھی والا،محمد اصوات اور دیگر کچھ حضرات تھے۔

سوسائٹی کے سب سے اول صدر منتخب ہوئے اسماعیل اصوات،سکریٹری احمد میاں دادی بھائی،اورخزانچی اسماعیل عابدان حضرات نے یو،کے کے اندر جو لاجپورین آباد تھےان کے پاس جا کرممبر شپ فیس اورسوسائٹی کے لئے عام چندہ اکھٹا کیا،اب تک سوسائٹی نے جو خدمات انجام دی ہیں ان میں سے چند ایک کاموں کا اجمالاً خاکہ پیش خدمت ہے۔

نانی مسجد۔(مسجد ابوبکر)نئی عمارت کی تعمیر

جمعہ مسجد۔پرانی تعمیر کی وسیع مرمت اور ۲۰۰۰ء میں نئی عمارت کی تعمیر

نئی مسجد۔(مسجد عثمان)وسیع پیمانے پر مرمت

حسینی خانقاہ مسجد۔پرانی اورنئی عمارت کی تعمیر میں امداد

پانی کی ٹنکی۔لاجپور چارراستہ پرواٹرورکس کی تعمیر(نئی ٹنکی)

عیدگاہ۔دیوار کی مرمت،وضوخانہ کی تعمیراورفلورنگ کا کام

مدرسہ۔مدرسہ کی تین عمارتوں کی تعمیر،توسیع اورمرمت

اساتذہ کی تنخواہ۔ مدرسہ اسلامیہ کے اساتذہ کو تنخواہ کی ادائیگی

قبرستان ۔نئی جگہ کی خریداری، اور تینوں قبرستان کی چہار دیواری کی تعمیر

school۔نئی تعمیر میں امداد، مرمتی کام، فرنیچر کی خریداری اور لاچپور پرائمری school کے لئے کمپیوٹر کی خریداری

میڈیکل۔ دوائی اور سرجیکل treatment کے لئے امداد کووڈ کے دور میں

ویلفیر ۔روڈ ورکس کے لئے امداد، ضرورت مندوں میں فوڈ پا کیج کی تقسیم فلڈ ریلیف اور بیواؤں کی امداد

بردھر ہوڈ۔ خاتون کے لئے سیونگ کلاس، سلائی مشین کی خریداری اور دیگر ویلفیر activities

افطاری۔ رمضان المبارک میں food کی گھر گھر تقسیم اور مسجد میں افطاری کا نظم

Education۔فنڈ فور students ان پرائمری سکول اور دینی علوم حاصل کرنے والے غریب طلباء کا مالی تعاون

Emigration۔بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے جانے والے اسٹوڈنٹ کی مالی مدد (لون)

مدرسہ اسلامیہ کی پراپرٹی

لاجپور مسلم سوسائٹی کے افراد برطانیہ سے ساؤتھ افریقہ چندے کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے ،ان حضرات کی کاوش و کوشش سے ہی مدرسہ اسلامیہ کی پہلی پراپرٹی باٹلی میں خریدی گئی تھی، پراپرٹی خریدنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کی جو آمدنی ہو اس سے مدرسہ اسلامیہ کے اساتذہ کو تنخواہ ادا کی جاسکے، آج بھی اس پراپرٹی کی انکم سے مدرسہ اسلامیہ لاجپور کے اساتذہ کو تنخواہ دی جاتی ہے، ساؤتھ افریقہ اور انگلینڈ دونوں کمیٹی مل کر مدرسہ اسلامیہ کے اساتذہ کی تنخواہ بھیجتے ہیں، ساؤتھ افریقہ کی طرح برطانیہ میں بھی مدرسہ کی پراپرٹی کی خریداری کے لئے چندہ کیا گیا تھا، لاجپور سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے گاؤں کے کئی کاموں میں امداد کی جاتی رہی ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری و ساری ہے، اب تک سوسائٹی کے پاس پانچ پراپرٹی ہے (۱) دو بیڈروم فلاٹ (۲) دو بیڈروم کا ایک گھر (۳) اس کے علاوہ تین اور فلاٹ ہے یہ سب پراپرٹی رینٹ پر چل رہی ہے۔

سوسائٹی کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں ہے
فوائد اس کے کچھ کم نہیں ہے
اہل لاجپور تم کسی کی باتوں میں نہ آجانا
اس کے بد خواہ بھی کچھ کم نہیں ہے

(سلام لاجپوری)

سوسائٹی کا وجود بطور خاص انڈیا میں اہل لاجپور کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں، بندے نے بھی دور طالب علمی میں سوسائٹی سے اسکالر scholarship شپ حاصل کی ہے، خدا تعالی صحیح معنی میں اہل لاجپور کو اس کی قدر کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

چند سال پہلے باٹلی میں سوسائٹی کے قیام کے ۵۵ سال پورے ہونے پر ایک مجلس کا انعقاد ہوا تھا اس موقعہ پر بندے نے سوسائٹی کے تعلق سے ایک منظوم کلام تحریر کیا تھا وہ پیش خدمت ہے۔

خوبصورت چاہت

ہوئی بزرگوں کے دل میں پیدا ایک چاہت
تھا وہ سن عیسوی انیس سو چھاسٹھ
آیا عمل میں لاجپور مسلم سوسائٹی کا قیام
ہے وہ سب بزرگ ہمارے لئے لائق صد احترام
ان میں سے جو پاچکے وفات ہے
ان کے لئے دعا یہ دن رات ہے
کہ ملے سب کو بہشت میں اونچا مقام
ہو نصیب آقا کے مبارک ہاتھوں کوثر کا جام
کر رہی سوسائٹی ترقی سال در سال ہے
پورے کر چکی اپنی حیات کے پچپن سال ہے
کی ہے سوسائٹی نے امداد کئی لوگوں کی اب تک
ہے اس کی ایک طویل داستان بیان کروں کب تک
کر رہے ہیں سوسائٹی کی خدمت جو حضرات

ہے ان کے حق میں دعا سلام کی دن رات
خدا سب کو رضا اپنی عطا کرے
خدمت کا ان کو دارین میں صلہ عطا کرے
ہے سب سے دست بستہ یہی گذارش
سوسائٹی پہ کرتے رہنا محبت کی بارش
چلے آج سب ایک وعدہ کرتے ہیں
بات بالکل سیدھی سادہ کرتے ہیں
کہ سوسائٹی کے ساتھ سدا وفا کریں گے
آئے گر کوئی آنچ تو اس کو دفع کریں گے
ہے خیر کے جتنے بھی کام کرتے رہنا ہے
سلام اکابر کا ہمیں یہی کہنا ہے

(سلام لاجپوری)

لاجپور کے مشہور عالم دین وشاعر حضرت مولانا ابراہیم ڈایا صاحب مرحوم کا ایک منظوم کلام جو سوسائٹی کے تعلق سے حضرت نے تحریر کیا تھا پیش خدمت ہے۔

ویلفیر کو مبارکباد

خدائے پاک ہم پہلے تری تعریف کرتے ہیں
ترے محبوب پیغمبر کی پھر توصیف کرتے ہیں
تری رحمت سے رب العالمین سب کام ہوتے ہیں
نہ ہو رحمت اگر تری تو سب ناکام ہوتے ہیں
مبارک ویلفیر سوسائٹی حب وطن تجھ کو
خدا رکھے ہمیشہ شادماں و خندہ زن تجھ کو
کمی آنے نہ پائے تری اس قومی محبت میں
تو ساؤتھ افریقہ میں ہے تو دل ترا ہے بھارت میں
ہزاروں میل کے چکر لگائے قوم کے خاطر
کیا چندہ بڑی محنت سے دولت جمع کی آخر
رقم معقول لے کر ایک صاحب لاجپور آئے
بچھڑ کر بال بچوں سے وہ صدہا میل دور آئے
الٰہی دے تو اس تکلیف پر پورا ثواب ان کو
بنادے دو جہاں میں بامراد و کامران ان کو

مدد فرمائی دیگر ملک والوں نے بھی تن من سے
رقم آگئی رینوں بربو اور لندن سے
عنایت کی سعادت مند مردوں نے زمین اپنی
خداکے نام پر کی وقف ملکیت بالیقین اپنی
الٰہی ان کی ساری کوششیں مقبول ہوجائے
مدد امداد اور سب بخششیں مقبول ہوجائے
جو خرچے ان میں جان ومال وہ انسان بہتر ہے
کہیں بھی ہو حقیقت میں وہ ویلفیر کا ممبر ہے
ادا کرتے ہیں ہم شکر آپ سب کی مہربانی کا
خدا دے اجر بے حد آپ کو اس جانفشانی کا
ادائے شکر کرنا محسنوں کا حکم باری ہے
خوشامد نہیں مطلب خوشامد وجہ خواری ہے
الٰہی محسنوں کو دائمی نعمت عطا فرما
مددگاروں کے جان و مال میں برکت عطا فرما
ترقی کر رہی ہے آسماں تک آج کی دنیا
کہاں سے بڑھ کے جا پہنچی کہاں تک آچکی دنیا
رہے محروم لیکن ہم زمانے تک ترقی سے

مشرف ہورہے ہیں آج ہم بے شک ترقی سے
سن انیس سو ایکسنٹھ خیروبرکت ساتھ لے آیا
نومبر کا مہینہ فیض ہاتھوں ہاتھ لے آیا
میری بستی خدا کی تجھ پہ نازل ہوگئی رحمت
لگادی ویلفیر والوں نے تجھ پر دولت و محنت
زمین لاچپور آخر مقدر کھل گیا تیرا
ہوئی پاتال تک بورنگ ووٹر کھل گیا تیرا
ادا کرتے ہیں مولا شکر ہم تری عنایت کا
کہ کھولا ہے خزانہ تونے ہم پر آب رحمت کا
خوشا قسمت کے راحت کا میسر ہو گیا ساماں
خدا کے فضل سے مشکل ہماری ہو گئی آساں
تو اس بورنگ سے یارب دیر تک پانی پلا ہم کو
کشادہ کر ہمارا رزق خوبی سے جلا ہم کو
خداوندا ہمارے رزق میں برکت عطا فرما
سدا سیراب ہو ہم اس قدر کثرت عطا فرما
زمیں بورنگ ٹانکی وقف کرنا چیز یہ ساری
ہے سب امداد والوں کے لئے اک صدقۂ جاری

کہ ٹانکی کے نبھاؤ کی کوئی صورت نکل آئے
جو یہ خرچہ اٹھانے کے لئے تیار ہو جائے
اس انساں کا سفینہ دوجہاں میں پار ہو جائے
تعلق ٹوٹنے پائے نہ ہم سے عمر بھر تیرا
وطن سے اور بھی بڑھے کنکشن ویلفیر تیرا
کمی آئے نہ آئندہ بھی تیری قومی خدمت میں
خدا قوت عطا فرمائے بے حد تری ہمت میں
عمارت اور بھی دو خوشنما سنگین بن جائے
دوا خانہ اور ایک دار العلوم دین بن جائے
گذارش ہے کہ عمدہ بڑاسا کارخانہ ہو
جہاں صدہا ہنر سے مستفید اہل زمانہ ہو
توجہ اس طرف مبذول کرنے کی ضرورت ہے
اور یہ خدمت معقول کرنے کی ضرورت ہے
ہمیں امید ہے پروردگار پاک و برتر سے
کہ وہ کشتی ہماری پار کردے گا سمندر سے
انہیں فکر و غم دنیا کا سب معدوم ہو جائے
خداوندا ہماری عاقبت محمود ہو جائے

غم دنیا سے ہر فرد بشر آزاد ہوجائے
خداوندا ہماری عاقبت آباد ہوجائے
ہماری ویلفیر سوسائٹی مضبوط ہوجائے
ہر اک انساں اسی سے اے خدا مربوط ہو جائے
سلام شوق ویلفیر کو یہ خیر اندیش کرتا ہے
مبارکباد بستی کی طرف سے پیش کرتا ہے

(ذکر صالحین ج۲ص۲۷۷تا۲۸۰)

مدرسہ اسلامیہ، لاجپور

لاجپور میں قائم جو مکتب قرآنیہ ہے
نام جس کا مدرسہ اسلامیہ ہے
دی جاتی ہے وہاں طلباء کو دینی تعلیم
ہوتی جس سے مضبوط قوت ایمانیہ ہے
یہاں پڑھے کئی طلباء ہوئے عالم دین
یہ سب فیض مدرسہ اسلامیہ ہے
سلام کی ہے یہ چاہت خداوند پوری کرے
مدرسہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے

(سلام لاجپوری)

مدرسہ اسلامیہ لاجپور کی مختصر تاریخ

فخر لاجپور حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری دامت برکاتہم العالیہ اپنی تصنیف ''ذکر صالحین جلد سوم،، میں تحریر فرماتے ہیں کہ عین اسی سال جس میں دار العلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی یعنی ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں لاجپور کے ایک عارف باللہ بزرگ حضرت اقدس شاہ صوفی سلیمان صاحب نور اللہ مرقدہ نے علاقہ کے برے ماحول اور لوگوں کے فاسد عقیدوں اور بدعات پر مشتمل افعال سے قلبی قلق محسوس فرماتے ہوئے ''مدرسہ الٰہیہ لاجپور،، قائم

کیا،اس وقت مدرسہ میں ذی استعداد مدرسین خدمات انجام دیتے تھے،مدرسہ کی ایک روداد میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب کابولیؒ اور حضرت مولانا خدابخش صاحب پنجابیؒ کے اسماء ملتے ہیں۔

یہ مدرسہ حضرت صوفی صاحبؒ کی سعی بلیغ اور حضرت مولانا لیاقت علی صاحبؒ کی برکت کا ثمرۂ حسنہ ونتیجہ تھا،پھر حضرت مولانا لیاقت علی صاحبؒ کی گرفتاری عمل میں آئی اور نواب صاحب سچین پر جنون طاری ہوا،ایک وقت میں نواب سچین ابراہیم خان ثانی مولانا کا بہت معتقد تھا اور مولانا کی حسب مرضی ایک مکان جامع مسجد کے پیچھے قبرستان کے متصل بنوادیا تھا،مولانا اپنی فیملی کے ساتھ ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ لاجپور میں رہے،مولانا کی ذات بابرکت سے مسلمانوں کوخوب فائدہ ہوا۔

حضرت مولانا سید اور شریف خاندان کے نہایت مقدس ،متقی اور پرہیزگار جامع کمالات ظاہری اور باطنی بزرگ تھے،ان کی طویل صحبت کی وجہ سے مسلمانوں میں دینداری اور خداترسی اور علم وعمل کا شوق پیدا ہوگیا۔

سب سے پہلی اصلاح مولانا نے مسلمان عورتوں کے ہندووانہ طرز کے لباس میں فرمائی کہ عموماً گجرات کی مسلم عورتوں کا لباس لہنگا اور کرتی تھا،مولانا نے مسلمانوں سے اس لباس کے عدم استعمال کا عہد لیا،اس روز سے مسلم عورتوں نے گھگرا لہنگا اور کرتی پہننا موقوف کیا اور اس کی جگہ نیچا کرتہ پوری آستین کا، پائجامہ

سر بند اور اوڑھنی والا لباس اختیار کیا، رفتہ رفتہ گجرات کے اکثر علاقوں میں اس لباس کا رواج شروع ہو گیا، الحمدللہ اس نیک کام کی ابتداء لاجپور ہی سے ہوئی ہے۔

مولانا کی گرفتاری اپنوں ہی کی بغض و عداوت سے عمل میں آئی، چند شر انگیز طبیعتیں جو ظاہراً مولانا کی خیر خواہ تھیں مگر ان کے قلوب حسد و عناد سے پر تھے، وہ آپ کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو دیکھ نہ سکے، انہوں نے نواب صاحب سچین کو ورغلا کر مولانا کا مخالف بنا دیا، حالانکہ نواب صاحب اور ان کے اہل خاندان مولانا کے بڑے معتقد تھے۔

قصہ یہ ہوا کہ لاجپور میں نماز عید کی امامت نواب صاحب خود فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ نماز عید کے لئے نواب صاحب کو آنے میں تاخیر ہو گئی، مولانا نے وہی طریقہ اپنایا جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اختیار فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کو مسجد پہنچنے میں دیر ہو گئی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بغیر توقف و انتظار کے نماز پڑھا دی، ولید نے برہم ہو کر کہلا بھیجا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیر المومنین کا حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارے منتظر رہے۔

الغرض! مولانا کی امامت میں نماز عید ادا کر لی گئی، نماز عید سے فراغت ہوئی تھی کہ نواب صاحب کی سواری مع حشم و خدم کے عیدگاہ کے قریب

آ پہنچی، نواب صاحب نے دیکھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں تو استفسار فرمایا لوگوں نے بتلایا کہ مولانا کی امامت میں نماز ادا کر لی گئی ہے، نواب صاحب نے از راہ ادب سکوت اختیار کیا اور واپس سچین کا قصد کیا۔

نواب صاحب تو سچین پہنچ گئے مگر مولانا کے دشمنوں کو عداوت و دشمنی کا موقع ہاتھ لگ گیا اور نواب صاحب کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ مولانا کو آپ کی توہین کے جرم میں گرفتار کر لیا جائے، اب نواب صاحب پر حکومت کا نشہ غالب آ گیا جس کے متعلق عربی کی یہ مثل مشہور ہے کہ ''حکومت کا نشہ شراب کے نشہ سے بڑھ کر ہے،، اس سکر حکومت نے نواب صاحب کی عقل کو اندھا کر دیا اور نواب صاحب کی طرف سے مولانا کی گرفتاری کا حکم صادر ہو گیا، چنانچہ چند سپاہی شاہی حکم نامہ لے کر لاجپور آئے اور مولانا کو گرفتار کر لیا، مولانا کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ نواب صاحب پر جنون لاحق ہو گیا ہے، اس واقعہ کو دیکھ کر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ارباب حکومت عبرت حاصل کرتے اور مولانا سے معافی کے خواستگار ہوتے مگر ''**حبک الشئی یعمی ویصم**،، مولانا کو قید کر کے حکومت انگریز کو مخبری کر دی، الغرض! حضرت کی گرفتاری سے کئی سال مدرسہ بند رہا۔

دوبارہ مدرسہ کا اجراء

پھر ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں حضرت صوفی صاحبؒ نے بہ محنت و مشقت از سر نو اس مدرسہ کو جاری فرمایا، راقم کے جد امجد حضرت مفتی مرغوب احمد

صاحبؒ اس کی تفصیل اس طرح تحریر فرماتے ہیں

دار العلوم دیوبند کے قیام کے گیارہ سال بعد ۱۲۹۵ھ میں ''مدرسہ اسلامیہ،، لاجپور کا افتتاح ہوا جس میں ایک عالم کی ضرورت محسوس ہوئی، دار العلوم دیوبند سے درخواست کی گئی راقم الحروف کو اس درخواست کا علم نہ تھا، ماہنامہ دار العلوم دیوبند رمضان ۱۳۷۲ھ سے یہ معلوم ہو کر بڑی مسرت ہوئی کہ آج سے تقریباً اسی سال قبل فضلائے دیوبند کی مانگ کرنے والوں میں حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب مہتمم مدرسہ اور ممبران مدرسہ نے یہ کہہ کر کہ ہم بھی تیرے خریداروں میں ہیں ایک فاضل مدرس کے لئے درخواست پیش کر دی، تعلیمی ضرورتوں کے لئے دار العلوم کو علمی مرکز خیال کر کے ملک کے اطراف وجوانب سے درخواستیں بھی چلی آتی تھیں، اس زمانہ میں حال یہ تھا کہ قریب ہی کے علاقوں سے نہیں بلکہ لکھا ہے کہ ریاست بھاولپور ملک پنجاب سے اور لاجپور ملک گجرات سے مدرسہ ہذا میں درخواستیں آئی ہوئی ہیں، یہ مدرسہ کئی سال بحسن وخوبی جاری رہا، جس میں مولانا عبد الہادی صاحب اور کوکن کے مولانا احمد علی صاحب وغیرہ علماء درس دیتے رہے، پھر مدرسہ میں تعطل پیدا ہو گیا۔

موصوف ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں، اس کے بعد حضرت صوفی صاحب اور لاجپور کے با اثر دیندار لوگوں کی کوشش سے پھر سے یہی مدرسہ ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں جاری ہوا، زمانہ کی رفتار کے مطابق ایک عرصہ کے بعد یہ مدرسہ موقوف

ہو گیا، اس مرتبہ مدرسہ کے موقوف ہونے کے اسباب کیا ہوئے؟

اس کا مختصر تذکرہ لاجپور کے ایک متبحر عالم دین حضرت صوفی صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ کی تحریر میں ملتا ہے، موصوف لکھتے ہیں والدصاحب بزرگوار عمت فیوضہم کی سعی بلیغ کا ثمرہ حسنہ تھا جنہوں نے ۱۲۹۵ھ میں بہ مشقت و بہ محنت ایک مدرسہ کی بنا قائم کی تھی، جو عرصہ چند سال تک فیض عام بخشتا رہا، مگر بعضے مفسد جن کا اس مدرسہ کی امداد میں کچھ حصہ بھی نہ تھا اور جو قدیم سے ہی جب سے اس کی بنا ہوئی اپنی قساوت قلبی اور منصب نیابت شیطانی سے اس کو نیست و نابود کرنے اور بیخ کنی کے درپے تھے، انہوں نے اس قدر شرانگیزی اور فتنہ وفساد خیزی کی کہ بالآخر چند سال تک جاری رہ کر وہ مدرسہ ٹوٹ گیا، اس عرصہ چند سال میں اچھے لائق و فاضل مدرس رہ گئے تھے مگر کوئی بین نتیجہ ان کی تدریس کا اہل قریہ کو سوائے اس کے کہ بعض لوگ مسائل صوم وصلوۃ سے کچھ واقف ہوئے زائد فائدہ حاصل نہ ہوا، اگرچہ بعضے طلباء بیرونی بہ نسبت ان کے زیادہ مستفید ہوئے۔

اس دوسری مرتبہ مدرسہ کی تعلیم کا سلسلہ آٹھ دس سال رہا، مدرسہ کا انتظام بحسن وخوبی چلتا رہا، لائق اساتذہ اور حضرت صوفی صاحبؒ کی برکت سے دور دور سے طلبہ آتے تھے مدرسہ میں عربی کے دو فارسی کے ایک مدرس ایک حافظ صاحب ایک قاضی ایک منشی وغیرہ ملازمین کا پتہ روئیداد سے چلتا ہے، طلبہ کے کپڑے، خورد و نوش رہائش و دیگر ضروریات کا معقول انتظام مدرسہ میں تھا، ماہانہ

خرچ کا اندازہ ۱۲۵ سے ۱۵۰ تک اور سالانہ ۱۵۰۰ سے ۱۸۰۰ تک کا تھا، خصوصی تعاون والی سچین نواب صاحب اوران کی بیگم صاحبہ کا ہر سال ۴۰۰ روپیہ کا تھا، بقیہ خرچ اہل لاجپور وقرب و جوار کے گاؤں والے بصورت نقد و غلہ عنایت کرتے تھے، جزاھم اللہ تعالی احسن الجزاء

راقم کواس دور کی ایک روئیداد ملی اس سے پتہ چلتا ہے کہ دس محرم الحرام کو اس کی ابتدا ہوئی، والی سچین نواب صاحب نے یک مشت دوسو روپے کی گراں قدر رقم کتابوں کی خریداری کے لئے عنایت فرمائی اور ہر سال دوسو روپے کا وعدہ فرمایا، جزاکم اللہ تعالی۔

رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ کی تعداد ۱۵۶ تھی، چھ اساتذہ خدمت انجام دے رہے تھے،ان کے اسماء یہ ہیں

(۱) حضرت مولانا محمد علی صاحب مدرس اعلی

(۲) حضرت مولانا عبدالاحد صاحب

(۳) حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان صاحب

(۴) مولانا سید ابراہیم مدراسی، مدرس فارسی

(۵) جناب قاری عبدالحیٔ صاحب

(۶) حافظ عبداللہ پنجابی، مدرس قرآن شریف

اس رپورٹ سے معلوم ہوا کہ لاجپور میں کسی وقت ’’بخاری شریف،، تک

کی تعلیم ہوتی تھی ایک نقشہ میں جو کتابیں پڑھائی گئیں ان کی تفصیل اس طرح لکھی گئی ہے۔

فقہ و اصول فقہ۔منیہ،نور الانوار،مفتاح الجنۃ،قدوری،مالابد منہ،کنز الدقائق وغیرہ

تفاسیر۔جلالین،ترجمہ قرآن شریف،حسینی،بیضاوی شریف وغیرہ

احادیث۔بخاری شریف،ترمذی شریف،مشکوۃ شریف،مسلم شریف وغیرہ

عقائد۔شرح عقائد،عقائد جامی وغیرہ

صرف ونحو۔میزان الصرف،منشعب،صرف میر،شرح مأۃ عامل،ہدایۃ النحو،مراح الارواح وغیرہ

منطق۔میزان منطق،قال اقوال وغیرہ

فارسی۔گلستاں،بوستاں وغیرہ

مدرسہ کا تیسرا دور

تقریباً سات یا نو سال کے وقفہ کے بعد حضرت مولانا احمد میاں صاحبؒ نے ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں تیسری مرتبہ لاجپور کے اس مدرسہ کو ازسرنو جاری فرمایا اس کی تفصیل بھی حضرت مفتی مرغوب احمد صاحبؒ نے اس طرح تحریر فرمائی ہے۔

۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں مولانا احمد میاں صاحب نے للہ فی اللہ مدرسہ اسلامیہ لاجپور کو از سر نو جاری کیا اور نہایت تندہی وشوق سے درس نظامیہ کے موافق بالترتیب با قاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، جس سے اطراف واکناف بلکہ دور دراز کے تشنہ علوم طلبہ نے آپ سے ایک معتد بہ حد تک علوم عربیہ کی تحصیل کی۔

آپ کی باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے تلامذہ میں سے تقریباً پندرہ صاحبوں نے ہندوستان کے مختلف مدارس میں پہنچ کر درس نظامی کی تکمیل کی، ضلع سورت کے اکثر علماء آپ سے مستفید اور آپ کے دامن سے وابستہ ہیں، مولانا احمد حسن بانی جامعہ ڈابھیل، مولانا احمد بزرگ سابق مہتمم جامعہ ڈابھیل، مولانا احمد درویش ڈابھیلی، حاجی ابراہیم میاں صاحب سملکی، مولانا ابراہیم پٹیل کفلیتوی، مولانا محمد یوسف صاحب لاجپوریؒ مولانا سید عمر صاحب لاجپوریؒ، مولانا عبد الحئی صاحب لاجپوریؒ، مولانا عبد الرحمٰن صاحب بھوپالی، مولانا وزیر خاں صاحب حیدرآبادی، مولانا الٰہی بخش صاحب پنجابیؒ، مولانا عبد اللہ صاحب پنجابی، مولانا یحیٰ صاحب بنگالی اور مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ آپ ہی کے دامن فیض سے وابستہ ہیں۔

اب کی مرتبہ یہ مدرسہ چھ۔سات سال برابر فیض پہنچاتا رہا اور گجرات کے اکابر اہل علم نے اس مدرسہ سے اکتساب فیض کیا، اور بعد میں عظیم خدمات انجام دیں، اس مرتبہ بھی بعض شرارت پسند حضرات کی رخنہ اندازی نے مدرسہ کو بند

کروادیا،مولانا احمد میاں صاحب رقم طراز ہیں آخرالامر جب بندہ ہندوستان شہر دہلی سے ۱۳۱۲ھ میں اپنے وطن مالوف میں آیا بعد چند عرصہ کے اجراء مدرسہ کا خیال دل میں گذرا، دیکھا کہ آمدنی دوامی جاری اس کی ایک حبہ بھی نہیں ہے،صرف سترہ روپے باقی جمع تھے،اسے لے کر دو کتابیں منگوا کر مدرسہ میں رکھیں،اور کمر ہمت چست باندھ کر لوجہ اللہ کارتدریس میں مشغول ہوا، بجائے اس کے کہ اہل قریہ وجہ معاش طلبہ میں سعی کرتے ،معاون ہوتے بدنی اور مالی تائید پر کمربستہ ہوتے بعض نائب ابلیس متبع ہوائے نفس خسیس بوجہ عناد قلبی وخبث موروثی کے یا اکتساب اغواء شیطانی سے اس کے ڈھانے اور نابود کرنے کی فکر میں لگے رہے۔

جانتے ہو شیطان تو بذات خود ایسے کاموں میں دست اندازی کا اب محتاج نہیں رہا ہے اس کے نائب اس عالم میں شیاطین الانس اس قدر ہیں کہ اسے بنفس خسیس خویش اتنی تکلیف گوارا کرنا پڑے،اور یہ امر تو تحقیقاً پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے انہوں نے رفتہ رفتہ طلباء کی رنج دہی اور ایذا رسانی شروع کی،آخرالامر توڑ کر ہی رہے خدا ان سے سمجھے۔

چوتھی مرتبہ مدرسہ کا اجراء

۱۳۲۷ھ میں حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب نے باقاعدہ درس و تدریس کا انتظام فرمایا اور مدرسہ کو از سر نو چوتھی مرتبہ جاری کیا،موصوف رقم طراز ہیں ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں کچھ عرصہ (تقریباً دس سال) کے تعطل

کے بعد پھر درس و تدریس کا سلسلہ باقاعدہ جاری کیا، جس میں عربی، فارسی، اردو کے ساتھ باقاعدہ قرأت و تجوید کا خاص اہتمام کیا، ساتھ ہی گجراتی تعلیم کا بھی انتظام کیا کہ طلبہ کو مدرسہ چھوڑ کر اردو سرکاری سکول میں جانے کی ضرورت نہ رہے، اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ۳۳ھ تک مدرسہ اچھی طرح چلتا رہا، اسکے بعد بعض وجوہات کی بنا پر پھر تعطل پیدا ہو گیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے دور اہتمام کی ایک روئیداد بھی گجراتی زبان میں شائع کی تھی، وہ میری فائل میں محفوظ ہے، اس میں طلبہ کی مقدار اساتذہ کے اسماء سالانہ خرچ کی تفصیل، مہتمم، اساتذہ، طلبہ اور چندہ کے قواعد وغیرہ چیزیں درج ہیں، اس سوانح کے صفحہ ۳۱۱ پر راقم نے اس کا اردو ترجمہ کر کے شامل کر دیا ہے، اللہ تعالی کی عجیب شان ہے کہ اہل اللہ اور بزرگان دین کے بابرکت ہاتھوں چار مرتبہ مدرسہ کا اجراء عمل میں آیا، مگر ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ آتی گئی اور مدرسہ بند ہوتا گیا، کاش اہل لاجپور اس نعمت عظمی کی قدر کرتے اور حتی المقدور مالی و بدنی تعاون فرماتے مگر ایسا نہیں ہوا، فالی اللہ المشتکی۔

لا تقل فیما جری کیف جری

کل شئی بقضاء وقدر

(ذکر صالحین ج۳ بتغیر)

جگ میں جو کرتا ہے اچھے کام
مر کے بھی رہتا ہے زندہ اس کا نام

(۱)

یادگار اسلاف حضرت مولانا عبد القدوس صاحب دیوان (صوفی) لاجپوری رحمہ اللہ

مختصر سوانحی خاکہ

اسم۔(مولانا) عبدالقدوس بن مولانا یوسف دیوان

تاریخی نام۔غلام ابراہیم

وطن۔لاجپور، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

تاریخ پیدائش۔رجب ۱۳۳۰ھ مطابق گیارہ اکتوبر ۱۹۱۲ء

تعلیم مکتب۔مدرسہ اسلامیہ، لاجپور

اعلی تعلیم۔صوفی باغ سورت، جامعہ حسینیہ راندیر، جامعہ ڈابھیل، مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ معینیہ اجمیر

تدریس۔کالا کاچھ، ساؤتھ افریقہ، زمبابوے، لاجپور

تدریس لاجپور۔۲۶ سال تقریباً

مجموعی مدت تدریس۔۴۰ سال

بیعت اول۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

بیعت ثانی۔شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

بیعت ثالث۔شاہ عبدالرحیم مجددیؒ

اجازت بیعت۔شاہ عبدالرحیم مجددیؒ کی طرف سے ۲۳ شعبان ۱۴۱۱ھ کو

زیارت حرمین۔ایک سے زائد مرتبہ

اولاد۔چار صاحبزادے، دو صاحبزادیاں

انتقال۔ ۷شوال المکرم ۱۴۲۶ھ مطابق ۸نومبر ۲۰۰۵ء بروز بدھ

علمی خاندان میں تولد

آپ کا تولد لاجپور کے ایک علمی گھرانے میں ہوا، ددھیال اور ننھیال طرفین علم دین سے محبت رکھنے والے خاندان ہیں،اس خاندان میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ہند وبیرون ہند علم دین کی عظیم خدمات انجام دی ہیں، والد کا اسم گرامی مولانا محمد یوسف تھا جوجید الاستعداد عالم دین تھے،حضرت مولانا مرحوم نے لاجپور کے مدرسہ اسلامیہ میں ایک طویل عرصہ دین کی خدمت انجام دی ہے۔

محبت کی ایک علامت

والد سے تعلق اور محبت کی ایک علامت یہ بھی سمجھی جاتی ہے کہ اپنی ہونے والی اولاد کا نام والد کے نام پر رکھا جائے، یہ چیز کوئی آج کے زمانے کی نہیں ہے یہ معمول بہت پہلے سے چلا آرہا ہے،حضرت مولانا مرحوم نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام والد مرحوم کے نام پر محمد یوسف رکھا تھا وہ بھی ماشاء اللہ عالم دین ہے اور برطانیہ کے شہر باٹلی میں مقیم ہے اور وہیں پر ایک طویل عرصہ سے دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

سعادت

یہ خوش قسمتی اور سعادت بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے کہ اس کی تمام

نرینہ اولاد حافظ قرآن اور عالم دین ہو، حضرتؒ کے لئے یہ سعادت اللہ تعالی نے مقدر فرمائی تھی کہ آپ کی نرینہ اولاد میں سے تین صاحبزادے عالم دین اور ایک صاحبزادہ حافظ قرآن اور قاریٔ قرآن ہوئے۔

ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء، والله یختص برحمته من یشاء

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

حضرتؒ نے تقریباً ۲۶ سال مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں تدریسی خدمت انجام دی، بڑے بڑے علماء آپ سے تربیت پا کر نکلے جیسے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صوفیؒ، الحاج بھائی میاں بھائیؒ، حضرت مولانا عبد الحئ سیدات دامت برکاتہم، صاحبزادہ مولانا عبد الرؤف صاحب دامت برکاتہم وغیرہ (تذکرۂ عبد القدوس ص ۱۲۵ بروایت حضرت مفتی رشید احمد صاحب کھرادادامت برکاتہم)

حضرت دار العلوم دیوبند میں متعلم تھے کہ بیمار ہوگئے، حکیم صاحب سے دوائی لی مگر صحت نہیں ہوئی تو حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ جو فن عملیات میں شہرت رکھتے تھے کی خدمت میں پہنچے، وہاں یہ دستور تھا کہ رقعہ لکھ کر دینا ہوتا تھا، حضرتؒ لطیفے کے طور پر سناتے تھے کہ میں نے رقعہ لکھا جب دستخط کا وقت آیا تو میں نے لکھا "**احقر النفوس بنده عبد القدوس حفظه الله من شر النفوس**، چنانچہ حضرت میاں صاحب نے تعویذ دی اور سلام کے بعد لکھا بندہ عبد

القدوس الخ یعنی آگے وہی ہے جو آپ نے لکھا (حوالا بالاص ۱۱۷)

دعائیہ کلمات

بندے نے حضرت مولانا مرحوم کے انتقال پر استاذ مرحوم حضرت قاری عبدالحق صاحب کو جوتعزیتی مکتوب تحریر کیا تھا اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
نہ اپنی خوشی آئے نہ اپنی خوشی چلے
ازل سے ہی مشیت نے اجل کو یہ کام سونپا ہے
چمن سے پھول چننا اور ویرانے میں رکھ دینا

والد ماجد کے وصال کی دردناک خبر جیسے ہی موصول ہوئی آنکھیں اشک بار اور دل شدت تکلیف سے چھلنی ہوگیا، اللہ تعالی والد مرحوم کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عطافرمائے، آپ کو اور تمام متعلقین کو صبر جمیل واجر جزیل عطافرمائے، آمین

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

صدقۂ جاریہ

موت بے شک برحق چیز ہے، قرآن کریم کا اٹل فیصلہ ہے ''کل نفس ذائقة الموت،، خواجہ عزیزالحسن مجذوبؒ فرماتے ہیں۔

اک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حدیث پاک میں ہے **قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثۃ الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعوا لہ** (مسلم شریف)

جب انسان انتقال کر جاتا ہے تو اس کا نامہ اعمال منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب ملتا رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ جیسے سبیل لگوادی، یا کوئی کتاب تصنیف کی وغیرہ (۲) ایسا علم جس سے لوگ نفع اٹھاتے رہے (۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعائے خیر کرتی رہے۔

یہ سب سعادتیں اللہ تعالی نے والد مرحوم کے لئے مقدر فرمادی ہیں۔

اوصاف جمیلہ

والد مرحوم شرافت، حسن اخلاق، بزرگی جودوسخا جیسی عظیم صفات سے متصف تھے، اللہ تعالی نے آپ کو ظاہری حسن کے ساتھ باطنی حسن سے بھی نوازا تھا، ایک خوبی بطور خاص یہ بھی تھی کہ آپ دینی کام کرنے والوں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے، لاچپور میں جب بھی کسی جلسہ کا انعقاد ہوتا اور آپ کو اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی باوجود بیماری وپیرانہ سالی کے منظور فرما کر شرکت فرماتے، نہ صرف شرکت فرماتے بلکہ اخیر تک مجلس کو رونق بخشتے اور اپنی دعاؤں سے نوازتے

تھے۔

نصیحت

بندے کو جب بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا منجملہ اور نصائح کہ ایک نصیحت یہ فرماتے کہ تاحیات اپنے کو دینی خدمت میں لگائے رکھنا۔

زندگی ایسی گذارو کہ..........

آپ کی شخصیت بالکل اس کی مصداق تھی کہ ۔

یاد داری کہ وقت زادن تو
ہمہ خنداں بودند و تو گریاں
چنیں زیں کہ وقت رفتن تو
ہمہ گریاں بودند و تو خنداں

اسی بات کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے

مجھے اپنی الفت کے قابل بنا
سوا اپنے ہر شئے کو دل سے بھلا
میں دنیا میں آیا تو گریاں ہی تھا
سوا مرے ہر اک خنداں ہی تھا
جو دنیا سے جاؤں خوشیاں کروں

سبھی ہوویں گریاں میں خنداں رہوں
ملائک مرے پاس رحمت کے ہوں
یہ سامان یا رب عنایت کے ہوں

والدمرحوم کا حال بھی ایسا ہی تھا۔

دستگیر

ان کا ہاتھ تھاما اپنا ہاتھ تھام کے
ہاتھ مرے نکلے دونوں کام کے

مولانا منورحسین صاحب سورتی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت مولانا مرحوم کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، بھائی میاں بھائی مرحوم بھی موجود تھے، حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی میاں میرے دستگیر ہے، یہ اس بنا پر فرمایا کہ بھائی میاں بھائی جب کبھی حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ ہوتے تو ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھتے تھے۔

تعزیتی تقریر

فقیہ العصر، سید السادات، سابق مفتی گجرات حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کی وفات پر لاجپور کی مسجد ابوبکر میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تھا اس موقعہ پر حضرتؒ نے بھی تقریر تھی وہ تقریر پیش خدمت ہے۔

محترم حضرات! میں آپ لوگوں سے مختصراً کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں

حضرت مفتی صاحبؒ نے فتوی نویسی کی ابتداء کیسے کی وہ سنئے، بانی جامعہ حسینیہ حضرت مولانا محمد حسین صاحب راندیریؒ کے پاس جو فتاوی آتے تھے حضرت مہتمم صاحبؒ وہ فتاوی حضرت مفتی صاحبؒ کو دیتے اور فرماتے کہ اس کا جواب تم کو تحریر کرنا ہے، حضرتؒ اس کا جواب لکھ کر حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتے، حضرت مہتمم صاحبؒ اس پر اپنے دستخط کر دیتے اور حضرت مفتی صاحبؒ کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، اس طرح حضرت مفتی صاحبؒ نے فتوی نویسی کی ابتداء کی۔

میں جب جامعہ حسینیہ میں متعلم تھا اسی وقت سے میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا، میرے حضرتؒ سے بڑے گہرے تعلقات تھے مگر چونکہ وقت بھی نہیں ہے اور مجھ میں ہمت بھی نہیں ہے اس لئے میں سب باتیں بیان نہیں کر سکتا۔

میرا ایک مشورہ ہے کہ گاؤں لاجپور میں حضرت مفتی صاحب کے نام پر ان کی یاد میں ایک ادارہ قائم ہونا چاہئے، آپ حضرات ایک انجمن اور لائبریری کا انتظام کرو، ہم نے حضرتؒ کے نام پر جامع مسجد کے ایک گیٹ کا نام رکھا ہے، آپ کے نام پر ہسپتال بھی بنایا ہے یہ ہمارا آپ سے تعلق اور محبت کی علامت ہے، اب ایک کام اور کرنا ہے جس جانب میں نے آپ کو توجہ دلائی ہے، آپ لوگ مفتی رشید احمد بھائی میاں سے اس سلسلہ میں مشورہ کرو، لاجپور کے احباب جو بیرون ملک

مقیم ہیں ان سے بھی اس سلسلہ میں بات کرو، ان سے مالی تعاون کی اپیل کرو، مجھے امید ہے اگر آپ ایسا کریں گے تو بآسانی مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی، ان شاء اللہ۔

اعلان کی وجہ

مفتی رشید احمد صاحب کھرادالا جپوری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرتؒ سے سوال کیا کہ حضرت !لاجپور مسلمانوں کی بستی ہے اور ماشاء اللہ پہلے سے یہاں علم کا چرچہ رہا ہے، ابھی دو سال پہلے مجھے لاجپور کی تاریخ ملی جس میں لکھا ہے کہ یہ وہ قریہ ہے جہاں پر ۱۳۰ سال پہلے سے علماء وفضلاء موجود ہے تو پھر یہ اعلان کیوں ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھنے چلو، میں نے بھی بچپن میں یہ اعلان سنا اور ہمارے دوست واحباب جو جامعہ ڈابھیل میں پڑھتے تھے وہ مجھ سے کہتے تھے کہ تمہارے گاؤں والے بھی عجیب ہیں، جمعہ کے لئے بھی بلانا پڑتا ہے کیا لوگ آتے نہیں؟ یہ کیا معاملہ ہے؟

حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ ہمارا گاؤں جو آباد ہوا ہے وہ جمعہ مسجد کی طرف سے ہوا ہے، اسی لئے گاؤں میں پہلی مسجد جمعہ مسجد ہی تعمیر ہوئی، پھر دھیرے دھیرے آبادی بڑھنا شروع ہوئی تو دوسرے نمبر پر چھوٹی مسجد (مسجد ابوبکر) تعمیر ہوئی اور آبادی بڑھی تو نئی مسجد (مسجد عثمان) تعمیر ہوئی اور جہاں مسجد بنی ہر جگہ جمعہ بھی ہوتا گیا، تو تینوں جگہ جمعہ ہوتا تھا، علماء لاجپور سر جوڑ کر بیٹھے اور مشورہ کیا کہ تین

کے بجائے ایک ہی جگہ جمعہ ادا ہونا چاہئے ،اس زمانہ میں نواب صاحب کی حکومت تھی ،نواب صاحب مہینے دو مہینے میں ایک بار حضرت صوفی صاحب کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور بہت باادب بیٹھتے تھے اور دو درخواست کرتے تھے(۱) حضرت کچھ نصیحت فرمائیے(۲) دعا کی درخواست کرتے تھے، جب نصیحت کی بات آتی تو حضرت صوفی صاحب بڑی شفقت سے فرماتے کہ رعایا کے ساتھ نرمی اور رحم وکرم کا معاملہ کرے،اور دعا کے جواب میں فرماتے کہ اللہ پاک ظلم وزیادتی سے آپ کی حفاظت فرمائے ،تو ان بزرگوں نے حضرت صوفی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ بات رکھی کہ حضرت چھوٹی آبادی ہے مسجد بھرتی نہیں ہے اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تینوں مساجد کے مصلی ایک جگہ جمع ہوکر جمعہ کی نماز ادا کیا کریں،اب جب نواب صاحب آئے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا اور ساتھیوں کا یہ خیال ہے کہ جمعہ ایک جگہ ادا ہوجایا کرے تو بہتر رہے گا،نواب صاحب نے فرمایا کہ اچھی بات ہے،اس زمانہ میں ہر گاؤں میں پولیس پٹیل ہوا کرتے تھے نواب صاحب نے کہا لاجپور کہ پولیس پٹیل کو بلاؤ، وہ حاضر ہوا تو ان سے کہا کہ جمعہ سے پہلے اعلان کردو کہ ہر آدمی جمعہ کی نماز جامع مسجد میں آکر ادا کرے،شروع میں اعلان لمبا تھا کہ جمعہ نی نماز جمعہ مسجد ماں پڑھوا چالو، پھر تخفیف ہوئی کہ جمعہ نی نماز پڑھوا چالو، پھر آہستہ آہستہ وہ سلسلہ بھی بند ہوگیا (تذکرۂ عبد القدوس ص ۱۲۷ تا ۱۲۹ بتغیر)

آنکھیں نم اور چہرے پہ غم طاری ہے
کھودی آج ہم نے شخصیت بڑی پیاری ہے

(سلام لاجپوری)

(۲)

استاذ مرحوم حضرت حافظ و قاری عبد الحق صاحب دیوان (صوفی) لاجپوری

مسجد کی امامت

چل بسے جہاں سے استاذ محترم
ہو ان پہ خدا کا کرم
تھی طبیعت میں شرافت
کی طویل عرصہ مسجد کی امامت
تھے مقتدی ان سے راضی
کرتے تھے محبت سب نمازی
تھی قرأت خوب پیاری
جھومتے تھے سن کر کہ نمازی
ہے آنکھوں سے سب کے اشک جاری
دلوں پہ اب تک ہے سب کے غم طاری
تھے بے تکلف تکلف سے تھے عاری
جو ہوتا دل میں ہو جاتا تھا زباں پہ جاری
تھا چہرہ پر نور و نورانی
تھی خوب ان کی تلاوت قرآنی
تھا تدریس کا سلسلہ بھی جاری
ہے یہ حق میں ان کے صدقۂ جاری

تھے مطالعہ کے شوقین و دلدادہ
رہتی تھی طبیعت علم کی جانب آمادہ
رکھتے تھے بزرگوں سے عقیدت
تھا وجود آپ کا بسا غنیمت
تھے بڑے خوبیوں کے مالک
ہو راضی ان سے خالق
ہو قبول آپ کی خدمات ساری
رہے فیض آپ کا تادیر جاری
آئیں گے یاد خوب عبد الحق قاری
رہے گا دل پہ سدا آپ کا غم طاری
ہے سلام کے لب پہ دعا یہی جاری
برستی رہے سدا تربت پہ رحمت باری

غمناک خبر

آنکھیں نم اور چہرے پہ غم طاری ہے
کھودی آج ہم نے شخصیت بڑی پیاری ہے

(سلام لاجپوری)

۵فروری۲۰۲۲ء مطابق ۴ رجب ۱۴۴۳ھ بروز سنیچر ایک غمناک خبر نے دل کو ہلا کر رکھ دیا، خبر یہ تھی کہ احقر کے استاذ محترم حافظ وقاری عبدالحق صاحب دیوان (صوفی) لاجپوری اللہ تعالی کو پیارے ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللهم اغفره وارحمه وسكنه فى الجنة.

آج سب مقتدی بے سہارے ہو گئے
امام ان کے خدا کو پیارے ہو گئے

نسبت

جو خاندان صوفی اور خاندان دیوان ہے
خدانے بخشی ان کو بڑی شان ہے
دیئے انہوں نے عظیم کارنامے انجام ہے
ہند و بیرون ہند میں چمکا ان کا نام ہے
سرزمین لاجپور کو ملی ان سے الگ پہچان ہے
کرتا سلام ان کی عظمت کو سلام ہے

گاؤں لاجپور میں دو مشہور خاندان ہے ''خاندان دیوان اور خاندان صوفی،، یہ خاندان اپنی علم دوستی اور بزرگی میں لاجپور واطراف لاجپور میں مسلم ہے، استاذ محترم کی نسبت دونوں خاندان سے تھی، خاندان صوفی آپ کا ننھیال اور خاندان دیوان آپ کا ددھیال تھا۔

پیدائش

سر زمین لاجپور میں وہ پیدا ہوئے
کئے کام ایسے کہ سب ان پہ شیدا ہوئے

(سلام لاجپوری)

استاذ مرحوم کی پیدائش ۱۶ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۶ جنوری ۱۹۴۹ء کو قریۃ الصالحین یعنی گاؤں لاجپور میں فخر گجرات حضرت مولانا عبد القدوس دیوان صاحبؒ کے گھر ہوئی۔

تعلیم

مدرسہ اسلامیہ سے ہوا ایسا تعلق قائم
کہ جو بچپن سے آخری دم تک رہا قائم

مکتب اور درجہ حفظ کی زیادہ تر تعلیم مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں حاصل کی ،حفظ کا آغاز مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں کیا اور تکمیل بھی مدرسہ اسلامیہ لاجپور ہی میں ہوئی، درمیان کا کچھ عرصہ مفتاح العلوم تراج اور صوفی باغ سورت میں

گذرا، نیز دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر اور راندیر جامعہ حسینیہ میں بھی تعلیم حاصل کی، تجوید کی تعلیم لکھنؤ سے حاصل کی تھی۔

تدریس

رہے وابستہ تادم آخر تدریس سے
تھی بڑی محبت آپ کو تدریس سے

(سلام لاجپوری)

تدریسی خدمت کا آغاز ''اون،، سے کیا تھا جو شہر سورت اور لاجپور کے درمیان واقع ہے، بعدہ صوفی باغ سورت میں پرائیویٹ طور پر کچھ عرصہ پڑھایا اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ لاجپور جو آپ کی مادر علمی بھی ہے وہاں تدریس شروع کی اور یہ سلسلہ تادم حیات جاری رہا، احقر نے بھی لاجپور میں چھوٹی مسجد (مسجد ابوبکر) میں گراؤنڈ فلور پر مدرسہ اسلامیہ کی جو درس گاہ ہے جہاں حضرتؒ نے ایک طویل عرصہ پڑھایا وہیں پر آپ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

صدر مدرسی

مدرسہ اسلامیہ میں آپ نے صدر مدرسی کے فرائض بھی انجام دیئے تھے۔

تربیت

بات کہنے کی آتی آپ کو ادا تھی
تربیت پہ رہتی نظر سدا تھی

تربیت ہی سے بنتا انسان انسان ہے
ہر جگہ نظر آتا آج اسی کا فقدان ہے
تعلیم کے ساتھ تربیت پہ بھی گر نظر ہوگی
تبھی دین کے مطابق زندگی بسر ہوگی

(سلام لاجپوری)

مکتب میں اساتذہ بچوں کو تعلیم تو دیتے ہیں مگر بہت کم اساتذہ ایسے ہوتے ہیں جو تعلیم کے ساتھ تربیت کے فرائض بھی انجام دیتے ہو، استاذ مرحوم تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی دینی تربیت بھی کرتے تھے، اس کے لئے آپ جس چیز کا سہارا لیتے تھے وہ تھا انبیاء کرام، صحابہ عظام اور بزرگان دین کے قصص وواقعات، آپ کو واقعات بہت یاد تھے، وقتاً فوقتاً بچوں کو واقعات سنا کر ان کی دینی تربیت کرتے تھے، بچوں کو ویسے بھی کہانی اور واقعات سے فطری طور پر دلچسپی ہوتی ہے، اور واقعات وقصص یاد بھی جلدی ہو جاتے ہیں اور تا دیر یاد بھی رہتے ہیں، یہی طرز ماضی قریب کے ہمارے اکابر میں شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا تھا، آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے جو ماشاء اللہ ہند و بیرون ہند میں موجود ہے، آپ سے فیض یافتہ یقیناً آپ کے حق میں صدقہ جاریہ ہے۔

اہتمام

استاذ مرحوم نے جہاں مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں تدریسی خدمت انجام

دی وہیں لاجپور کی جامع مسجد میں تقریباً چار عشرے تک امامت کے فرائض بھی بحسن وخوبی انجام دیئے، نیز چند سال تک آپ کے آباؤ اجداد کا لگایا ہوا علمی گلشن بنام ''مدرسہ صوفی باغ جو سورت ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے کہ اہتمام کے فرائض بھی انجام دیئے۔

رکن مجلس شوری

آپ دیوبند ثانی یعنی سرزمین گجرات کی قدیم ومشہور دینی دانش گاہ جامعہ ڈابھیل کی مجلس شوری کے رکن بھی رہے۔

منصب امامت

تمنا ہے کہ دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
خدا توفیق دے تو خدمت اسلام کر جاؤں
فردوسی مرحوم نے کیا ایران کو زندہ
خدا توفیق دے تو کروں میں اسلام کو زندہ

دین کے مختلف شعبے ہیں، اللہ تعالی جس سے جس میدان میں چاہتا ہے کام لیتا ہے، ان میں ایک عظیم شعبہ ''شعبۂ امامت،، ہے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز باجماعت کی ہمیشہ امامت فرمائی ہے بغیر کسی خاص عذر کے آپ نے اس عمل کو کبھی ترک نہیں کیا، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہی عمل خلفائے راشدین کا بھی رہا ہے۔

الغرض! منصب امامت ایک عظیم منصب ہے، گرچہ آج کے مسلمانوں کی نگاہ میں اب اس منصب عظیم اوراس منصب پر فائز شخصیت کا وہ مقام ومرتبہ نہیں رہا جو ہونا چاہئے تھا جس کے وہ حقدار ہیں، میری نگاہ میں وہ ائمہ حضرات بڑے خوش نصیب ہیں کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم سنت کو محض اللہ تعالی کی رضا کی خاطر بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، میں ایسے سبھی حضرات کو دل کی گہرائیوں سے سلام پیش کرتا ہوں، دنیا والے اس مقام ومنصب کو اہمیت نہ دے تو یہ ان کی حماقت ہے، اللہ رب العزت ائمہ حضرات کو آخرت میں اس عمل کی بدولت وہ عزت اور مقام ومرتبہ دے گا کہ جسے دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں خیرہ رہ جائیں گی۔

بہر حال! امامت ایک عظیم منصب اوراہم ذمہ داری ہے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد ''مسجد نبوی،، میں اخیر تک نماز باجماعت کی امامت کرائی، استاذ مرحوم بھی اس خدمت کو استقامت کے ساتھ سنبھالے ہوئے تھے ،آپ نے ۲ شوال ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۸۲ء بروز سنیچر لاجپور کی قدیم جامع مسجد میں نماز ظہر سے امامت کی خدمت کا آغاز کیا تھا جو آپ کے دنیا سے رخصت ہونے تک جاری رہا، جس وقت امامت شروع کی اس وقت ماہانہ تنخواہ تھی دوسو(۲۰۰) روپیہ، جامع مسجد قدیم میں آپ نے پندرہ سال امامت کے فرائض انجام دیئے، قدیم جامع مسجد ۱۹۹۸ء میں شہید کردی گئی تھی، اس اعتبار سے قدیم جامع مسجد میں سولہ(۱۶) سال اور جامع مسجد جدید میں تقریباً چوبیس سال امامت

کے فرائض انجام دیئے، مجموعی طور پر تقریباً چالیس سال بنتے ہیں، ۲۰۱۴ء سے استاذ مکرم کے ساتھ نائب امام کے طور پر قاری صابر کاپڑیا لاجپوری کا تقرر عمل میں آیا تھا، اس طرح مجموعی طور پر ۳۱ سال تک آپ نے تن تنہا امامت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے۔

استقامت

جن پرندوں کے پر نہیں ہوتے
ان کے پیڑوں پہ گھر نہیں ہوتے
لوگ ان کو پہاڑ کہتے ہے
جو ادھر سے ادھر نہیں ہوتے

منصب امامت پر ایک ہی جگہ رہتے ہوئے اس طرح استقامت کا ثبوت دینا یقیناً کسی کرامت سے کم نہیں، منصب امامت کانٹوں بھرا تاج ہے اس راہ کے نشیب و فراز اور اس کی نزاکتوں سے بندہ بخوبی واقف ہے، چونکہ بندہ بھی لندن کی ایک مسجد میں بحمد اللہ گذشتہ ۲۰ سال سے امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہا ہے، یقیناً آپ کا اس دوران سرد و گرم ہر طرح کے حالات سے واسطہ پڑا ہوگا مگر آپ کا مسلک یہ رہا کہ ؎

زمانہ معترف ہے ہماری استقامت کا
نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے رہنما بدلا

راہ الفت میں گو ہم پر بہت مشکل مقام آئے
نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

یاد بہت آؤ گے

جب تک صحت نے ساتھ دیا آپ امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، اب جامع مسجد کے مصلی پر تو کبھی آپ نظر نہیں آئیں گے مگر جب بھی ہماری نگاہ جامع مسجد کے مصلی پر پڑے گی تو ہمیں آپ کی کمی اور آپ کو کھونے کا احساس ہوتا رہے گا، آپ دنیا سے تو بیشک چلے گئے ہیں مگر ہمارے دلوں سے کبھی نہیں جائیں گے۔

دنیا سے تو چلے گئے ہو دل سے کہاں جاؤ گے
تا عمر آپ ہمیں یاد بہت آؤ گے

کوئی لہجہ نہ آواز

کیا برسوں جس نے دلوں پہ راج
ہو گئی ہے خاموش اب وہ آواز
سننے کو نہیں ملے گی پہلے کی طرح روز
رہے گا ہمیں اس کا تا عمر افسوس
ہے سلام کی دعا یہی صبح و شام
خدا عطا کرے آپ کو فردوس میں اعلی مقام

منصب امامت کے چالیس سالوں میں ایک چیز جس میں شروع سے اخیر

تک کوئی فرق نہیں آیا وہ تھا آپ کا قرآن کریم پڑھنے کا انداز دھیمہ مگر پر کشش اور دلکش لہجہ، لہجہ تو پر کشش تھا ہی آواز کی شیرینی اس میں مزید حسن ونکھار پیدا کر دیتی تھی ،وقت گذرتا گیا،عمر ڈھلتی گئی مگر آواز اور لہجہ کا جادو برقرار رہا، آواز آپ کی ہمیشہ جوان رہی، مجھے آپ کے قرآن کریم اور جمعہ کے خطبہ پڑھنے کا جوایک خاص اور منفرد انداز تھا بہت پسند تھا، ہائے افسوس! اب وہ آواز ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی، اب اس جہاں میں ہم اس آواز کولائیو نہیں سن پائیں گے۔

وقت کی پابندی

تھی وقت کی پابندی مثالی
دیتے تھے وقت سے پہلے مسجد میں حاضری
نماز کے لئے ہوتے نہیں تھے لیٹ
جماعت سے پہلے صف میں آ کر جاتے تھے بیٹھ
نہیں دیتے تھے کسی کو موقعہ شکایت کا
رہا پورا دور سنہرا آپ کی امامت کا

(سلام لاجپوری)

آدمی چاہے جس کسی شعبہ سے منسلک ہو اس میں وقت کی پابندی ضروری ہوتی ہے، اور پھر خاص کر نماز کی امامت کا مسئلہ اور وہ بھی جامع مسجد کی امامت اس میں تو وقت کی پابندی کا مسئلہ اور بھی اہم ہو جاتا ہے، استاذ محترم کی یہ عادت رہی کہ

آپ نماز باجماعت کے لئے ہمیشہ وقت سے پہلے مسجد میں حاضری دیتے تھے، میں کہا کرتا ہوں کہ ''ڈیوٹی میں بیوٹی،، ہوتو کوئی آدمی چاہ کر بھی آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا، حضرتؒ نے ہمیشہ وقت کی پابندی کا خیال رکھا بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی وقت کی پابندی مثالی تھی، حضرت کی زندگی سے ایک سبق قارئین کو یہ بھی سیکھنا چاہئے کہ ہم چاہے مدرسہ میں مدرس ہو یا مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہو، وقت کی پابندی کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔

تدریس میں بھی وقت کی پابندی خوب تھی

تھی تدریس میں بھی وقت کی پابندی خوب
ہو جاتے تھے وقت سے پہلے حاضر ٹھنڈ ہو یا دھوپ

صرف امامت ہی میں وقت کی پابندی مثالی نہیں تھی بلکہ مدرسہ اسلامیہ میں جہاں آپ مکتب میں مدرس تھے وہاں بھی وقت کی پابندی خوب تھی، آپ کی تدریس میں بھی یہ عادت رہی کہ مدرسہ کا جو مقررہ وقت ہوتا تھا اس سے کچھ دیر پہلے درس گاہ میں حاضر ہو جاتے تھے، یہ معمول ایک دو دن ایک دو ہفتہ یا ایک دو مہینہ کا نہیں بلکہ ہمیشہ کا تھا۔

ہوتا آپ کے ہر عمل میں دوام تھا
منظّم ہوتا آپ کا ہر کام تھا

(سلام لاجپوری)

سنجیدگی

بحث و تکرار سے رہتے دور تھے
جو ملتا راہ میں کرتے سلام ضرور تھے

حضرتؒ کے مزاج میں سنجیدگی تھی، بحث وتکرار اور اختلاف کی باتوں سے حتی الامکان اپنے کو دور رکھتے تھے، اور ہر نمازی سے چھوٹا ہو یا بڑا محبت واحترام سے پیش آتے تھے، اکثر خود ہی سلام میں پہل کرتے تھے۔

حوصلہ افزائی

طویل خدمت کا یہ بھی اک راز تھا
رہتا سدا اپنی ذمہ داری کا پاس تھا
کرتے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی تھے
تھے امام مسجد اور دین کے داعی تھے

(سلام لاجپوری)

نماز کے اوقات میں کہیں جانا ہوتا تو اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے خود اپنی طرف سے کسی کو مقرر کر جاتے تھے (یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کے ساتھ کوئی نائب امام نہیں ہوتا تھا) نیز جب بیرون ملک کے سفر پر جانا ہوتا اس وقت مسجد کی انتظامیہ نے آپ کو رخصت دی ہوتی پھر بھی نماز کے لئے اپنی جگہ کسی امام کا خود ہی بندوبست کر کے جاتے تھے، خاص کر آپ کو نماز جمعہ کی بہت فکر رہتی تھی کہ

میری غیر موجودگی میں جمعہ کی نماز کون پڑھائے گا، رفیق مکرم حافظ قاسم بلبلیا نے سنایا کہ حضرت جب زمبابوے کے سفر پر تشریف لے گئے تو ان کو اور ان کے برادر اکبر حافظ حنیف بلبلیا اور والد مرحوم حافظ شبیر بلبلیا کو نماز کی ذمہ داری سپرد کر گئے تھے، اس وقت آپ کو جس نماز کی بطور خاص تاکید کی تھی وہ تھی نماز جمعہ، سفر زمبابوے سے جب واپسی ہوئی اس وقت جو پہلا جمعہ آیا تو حضرتؒ نے حافظ قاسم سے فرمایا کہ یہ جمعہ بھی تم ہی پڑھاؤ گے، رفیق مکرم نے جواب میں کہا کہ اب تو آپ کی واپسی ہو چکی ہے، تو فرمایا کہ میں بھی تمہارا خطبہ سننا چاہتا ہوں اس لئے آنے والا جمعہ تم ہی پڑھاؤ گے، آپ کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ آپ ہمیشہ ہر اچھے کام میں چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

اسٹیج کی زینت

وعظ سننے کا خوب شوق تھا
چہرہ نورانی اور بارعب تھا
بیان میں اسٹیج کی ہوتے زینت تھے
تھا خاندان عالی اور نیک طینت تھے
سن کر بیان کرتے حوصلہ افزائی تھے
چھوٹوں کی کرتے سدا عزت افزائی تھے

(سلام لاجپوری)

آپ کو علماء کرام کے بیانات سننے کا بہت شوق تھا، گاؤں میں کسی کے مکان پر بیان ہوتا آپ ضرور شرکت کرتے تھے، نیز جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے بھی ہمیشہ وقت سے پہلے حاضر ہوجاتے اور نماز جمعہ سے پہلے ہونے والے بیان کو بھی خوب توجہ سے سنتے تھے، نہ صرف توجہ سے سنتے بلکہ بعد از بیان مقرر کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے، مسجد میں ہمیشہ دوزانو بیٹھ کر بیان سنتے تھے۔

اناؤنسر

زبان اردو پر حاصل عبور تھا
اس پر نہ کوئی عجب نہ غرور تھا
اردو بولتے بڑی پیاری تھے
جب بھی ملتے کرتے باتیں خوب ساری تھے
تقریر کا ملکہ بھی آپ کو حاصل تھا
کمالات میں آپ کے یہ وصف بھی داخل تھا

(سلام لاجپوری)

لاجپور میں جو تعزیتی اجلاس ہوتے ان میں عام طور پر اناؤنسری کے فرائض آپ ہی انجام دیتے تھے، آپ کو زبان اردو پر بھی اچھی پکڑ تھی، بلا تکلف روانی کے ساتھ اردو بولتے تھے، بات رکھنے کا انداز ایسا پیارا اور سہل ہوتا تھا کہ کم پڑھا لکھا شخص ہی نہیں بلکہ ان پڑھ آدمی بھی بآسانی آپ کی گفتگو سمجھ لیتا تھا، آپ کا

خطاب سن کر بندے کے دل میں کئی مرتبہ خیال آیا کہ اگر آپ مستقل طور پر اس عمل کو انجام دیتے تو یقیناً کامیاب خطباء میں آپ کا شمار ہوتا، نیز یہ بات بھی تھی کہ اگر آپ چاہتے تو جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے وعظ کر سکتے تھے مگر آپ نے کبھی اس کی خواہش نہیں کی بلکہ اس عمل سے اپنے آپ کو ہمیشہ دور ہی رکھا، آج کل اس معاملہ میں بہت دلیری دیکھنے میں آتی ہے، عام لوگ بھی نماز جمعہ سے پہلے ممبر رسول سے علماء کی طرح وعظ کہنے لگے ہیں اور بیان میں کمزور اور من گھڑت روایات بیان کرتے ہیں کہ سن کر افسوس ہی نہیں بلکہ دکھ ہوتا ہے، اللہ ہی ہدایت دے۔

خوش مزاجی

نہ تکبر نہ ہٹ دھرمی تھی
طبیعت میں غالب نرمی تھی
اور چہرے پر ہمیشہ آپ کے
مسکراہٹ تیرتی رہتی تھی

حضرت کے مزاج میں خوش مزاجی اور ایک حد تک بے تکلفی بھی تھی، آپ چھوٹوں کے ساتھ جن سے بے تکلفی ہوتی ہنسی مذاق بھی کرلیا کرتے تھے، چہرہ آپ کا ہمیشہ پر مسرت نظر آتا تھا۔

رومال

رکھتے ساتھ اپنے دستی رومال تھے
بوقت ضرورت کرتے استعمال تھے
جب آتی تھی لبوں پہ مسکراہٹ
رکھ لیتے اپنے منہ پر رومال تھے

حضرتؒ اپنے ساتھ ہمیشہ دستی رومال رکھتے تھے، جب ہنسی کی بات کرتے یا کسی اور کی بات پر مسکراتے تو دستی رومال سے منہ کا وہ حصہ جو ہنسی کے وقت نظر آتا ہے ڈھانپ لیتے تھے۔

ہنسی کی اقسام

ہنسی کی تین اقسام ہے
تبسم ضحک قہقہہ اس کا نام ہے

(سلام لاجپوری)

ہنسی کی تین اقسام ہیں (۱) تبسم (۲) ضحک (۳) قہقہہ

اس طرح ہنسنا کہ صرف دانت ظاہر ہوں آواز پیدا نہ ہو ''تبسم،، کہلاتا ہے اور اس طرح ہنسنا کہ تھوڑی سی آواز بھی پیدا ہو جو خود سنی جائے دوسرا نہ سنے ''ضحک،، کہلاتا ہے اور اس طرح ہنسنا کہ زیادہ آواز پیدا ہو کہ دوسرا بھی سنے اور منہ کھل جائے ''قہقہہ،، کہلاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ ''تبسم'' کی تھی، استاذ محترم بھی عام طور پر تبسم پر ہی اکتفا کرتے تھے۔

سر تسلیم خم ہے

ایک دن استاذ مرحوم سے فون پر بات ہوئی، علیک سلیک کے بعد فرمانے لگے کہ مجھے تجھ سے ایک خاص کام ہے، میں نے جواب میں کہا کہ حضرت! حکم کیجئے بندہ خدمت کے لئے حاضر ہے، فرمایا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے گجراتی زبان میں خود کے کچھ حالات زندگی تحریر کئے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ تو اس کو اردو کا جامہ پہنادے، نیز فرمایا کہ مولانا اسماعیل صالح جی اور ان کے برادر اکبر مولانا عبداللہ صالح جی بھی مجھ سے بار بار اس کا تقاضہ کرتے رہتے ہیں کہ میں یہ کام ان کے حوالے کروں مگر میری چاہت ہے کہ یہ کام تو انجام دے، اس پر میں نے کہا کہ یہ تو میری خوش نصیبی ہوگی کہ یہ خدمت اور سعادت میرے حصہ میں آئے، چنانچہ حضرت نے واٹس ایپ کے توسط سے voice message سے وہ سارا مواد میرے اوپر بھیجدیا، بحمداللہ وہ ساری باتیں بندے نے قلمبند کر کے حضرتؒ تک بھیجدی، آپ نے پڑھ کر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور خوب دعاؤں سے نوازا، بعدہ اس پر مزید کچھ کام حضرتؒ کی چاہت پر جامعۃ القراءت کفلیتہ کے استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی دبیر عالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے کیا، وہ کام بھی بحمداللہ پورا ہو چکا ہے۔

ایک خواہش جو پوری نہ ہوسکی

حضرتؒ کتاب کو پریس میں بھیجنے ہی والے تھے کہ کچھ عوارض پیش آگئے بعدہ حضرتؒ کو بیماری نے آ پکڑا، لاجپور رحیمیہ ہسپتال اور یونک ہسپتال سورت میں علاج ہوتا رہا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

شفا ان کی تقدیر میں نہ تھی
مقدور تک تو دوا کر چکے

(میر تقی میر بتغیر)

اور پھر وقت آخر آپہنچا۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

اہل تعلق اور خدام کو دعا دیتا ہوا یہ تھکا ماندہ مسافر دنیا سے رخصت ہو گیا۔

داغ فرقت کا دے گئے
جدا وہ ہم سے ہو گئے
اب نہ ہوگی اس عالم میں ملاقات
تاعمر رہے گی ساتھ ہمارے ان کی یاد

(سلام لاجپوری)

عالی اخلاق

جب بھی ملتے کرتے بات تھے
بڑے عالی آپ کے اخلاق تھے
گھر اپنے ہمراہ لے جاکر
کھلاتے کھانا مجھے اپنے ساتھ تھے

(سلام لاجپوری)

استاذ محترم کا معاملہ احقر کے ساتھ بڑا مشفقانہ تھا، بطور نمونہ تین مثالیں۔

(۱) بندہ جب انڈیا سے ۲۱ مارچ ۲۰۰۳ء کو یو، کے آرہا تھا اس موقع پر حضرت الاستاذؒ نے گاؤں کی ایک مسجد میں میرے برطانیہ جانے کی خوشی میں مفتی رشید احمد صاحب کتھرادا کا بیان رکھا تھا، حضرت الاستاذؒ نے ایک پرچہ تیار کرواکر گاؤں اور اطراف کے گاؤں میں بھی تقسیم کرایا تھا۔

(۲) برطانیہ سے جب بھی وطن جانا ہوا، ہمیشہ آپ نے مجھے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز سے پہلے بیان کی دعوت دی، احقر کو بیان میں اشعار پڑھنے کا شوق ہے، استاذ مرحوم کو بھی اشعار سے دلچسپی تھی، نماز جمعہ کے بعد جب ملاقات ہوتی تو فرماتے کہ تو نے فلاں شعر بہت اچھا سنایا، کبھی فرماتے مجھے فلاں شعر سن کر بڑا لطف آیا، نماز جمعہ کے بعد میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے اور مسجد کے مین دروازے تک لے چلتے، ہر سفر میں ایک جمعہ ایسا بھی ہوتا کہ نماز سے فراغت پر مجھے اپنے ساتھ

اپنے مکان پر لے جاکر اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔

معمول

فرماتے ذوق مطالعہ ہوتا جا رہا کم ہے
دیکھ کر یہ حالت ہوتا دل کو غم ہے
ہے کتابیں گھر میں رکھی مگر پڑھتے نہیں
کتابوں کا مطالعہ بھولے سے بھی کرتے نہیں

(سلام لاجپوری)

(۳)احقر کی جو بھی تصنیف چھپ کر آتی اس کا از اول تا آخر مطالعہ کرتے اور بعد از مطالعہ کتاب کے تعلق سے ایسے تحسینی کلمات کہتے کہ بندہ سن کر شرمندہ ہو جاتا، یہ آپ کی اعلی ظرفی تھی، اور یہ آپ کی ہمیشہ کی عادت تھی، آپ ہر ایک کے علمی کام کی کھل کر کھلے دل سے تعریف کرتے تھے، دوسرا کام یہ کرتے کہ مجھ سے کتاب کے سو نسخے طلب کرتے اور فرماتے کہ میں اس کو صاحب ذوق حضرات میں خود تقسیم کروں گا، فرماتے کہ میں ایسے کچھ اشخاص کو جانتا ہوں جو عالم دین تو نہیں ہے مگر انہیں مطالعہ کا خوب شوق ہے میں ان کو کتابیں دیتا ہوں، ساتھ بڑے افسوس سے یہ بھی فرماتے کہ میں ان علماء کو جن کی بابت مجھے علم ہے کہ وہ مطالعہ کے شوقین نہیں ہے ان کو کبھی کوئی کتاب نہیں دیتا، فرماتے کہ کتاب کا مقصد ہوتا ہے مطالعہ کرنا نہ کہ اچھی اچھی الماری بنا کر کتاب کو الماری کی زینت بنانا، فرماتے کہ

بعض علماء نے اپنے گھروں میں بڑی خوبصورت الماریاں بنا رکھی ہے مگر وہ بھولے سے بھی کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے، کتابیں الماری میں پڑی پڑی دھول چاٹ رہی ہوتی ہے، نیز فرماتے کہ تبلیغی جماعت کے کچھ احباب مطالعہ کے بڑے شوقین ہوتے ہیں میں ان کو کتاب دیتا ہوں، یہ بھی فرماتے کہ چونکہ ہم کتاب مفت تقسیم کرتے ہیں اس لئے ہر کوئی مانگتا ہے مگر میں صرف صاحب ذوق اور مطالعہ کے شوقین افراد کو ہی کتاب دیتا ہوں، نیز فرماتے کہ کوئی مجھ سے اگر پوچھتا ہے کہ کتاب کا ہدیہ کیا ہے؟ تو میں کہتا ہوں ''مطالعہ،،

ایک عادت یہ بھی تھی کہ گجرات کے کچھ اداروں میں خود جا کر اپنے ہاتھ سے باذوق علماء کو کتابیں پہنچاتے تھے، فرماتے تھے کہ میں حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری، حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی اور تیری کتاب اپنے ہاتھ سے بعض مدارس میں جا کر صاحب ذوق علماء میں تقسیم کرتا ہوں۔

ایام زندگی کے چند اوراق

ہے تیار جو کتاب کے یہ صفحات
ہوا پڑھ کے دل خوب شاد
رکھ لے نام ایام زندگی کے چند اوراق
ہے دعا کرے مقبولیت عطا خدائے پاک

(سلام لاجپوری)

حضرتؒ کا ایک دن فون آیا کہ کتاب تو تقریباً تیار ہو چکی ہے مگر اب تک کتاب کا نام کیا رکھا جائے اس بارے میں کچھ سوچا نہیں ہے، مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا نام رکھنا چاہیئے، اس پر میں نے مذکورۂ بالا شعر لکھ بھیجا کہ کتاب کا نام ''ایام زندگی کے چند اوراق،، رکھ لے (گر قبول افتد زہے عز و شرف) حضرت کو نام بہت پسند آیا، تین چار روز بعد رنگین خوبصورت ڈیزائن میں مجھ پر مذکورۂ بالا شعر لکھ کر واٹس ایپ کے توسط سے بھیجا اور ساتھ میں اپنے برادر اصغر حضرت مولانا یوسف صاحب جو یو۔ کے میں مقیم ہے کا ایک آڈیو کلپ بھی سینڈ کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سوانح حیات پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی، کتاب کا جو ٹائٹل پیج ہے وہاں اور مجلد کتاب کے آخری صفحے پر جامع مسجد لاجپور جس میں آپ امام ہے تو ایک طرف پرانی جامع مسجد کا فوٹو اور دوسری جانب نئ جامع مسجد کا فوٹو ہو تو بہتر رہے گا، حضرت الاستاذ کو ان کا مشورہ پسند آیا تھا مجھ سے فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ ایسا ہی کریں گے، دوسری ایک بات یہ بھی ذکر فرمائی تھی کہ کتاب کے بارے میں ایک مفتی صاحب کی رائے یہ ہے کہ اسے ابھی شائع نہ کیا جائے (یعنی ان کی حیات میں) اور حضرت مفتی عباس صاحب شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل و جامعۃ القراءت کفلیتہ کی رائے یہ ہے کہ اسے ابھی ہی شائع کر دیا جائے، تیری کیا رائے ہے، اس پر میں نے کہا کہ مجھے مفتی عباس صاحب کی رائے بہتر معلوم ہوتی ہے، اس پر حضرت الاستاذ نے فرمایا تھا کہ ہاں مجھے بھی یہی رائے بہتر معلوم ہوتی ہے، مگر۔

بسا آرزوئے کہ خاک شد،عرفت ربی بفسخ العزائم،،۔

کشکول

حضرت اردواور گجراتی زبان میں جن رسائل اور کتب کا مطالعہ کرتے تھے اس میں سے جو بات پسند آتی یا تو اسے فوٹو کاپی کروا کر یا پھر اپنے ہاتھ سے کاپی میں لکھ لیتے تھے،ایسے کئی سوصفحات کا ذخیرہ حضرتؒ نے مجھے دکھایا بھی تھا اور جن صفحات کی ڈبل کاپی تھی ان میں سے کچھ صفحات مجھے دیئے بھی تھے، یہ بھی ان کے صاف ستھرے علمی ذوق کی علامت ہے،اگر خاندان میں سے کوئی صاحب اس جانب توجہ کرے تو ''کشکول عبدالحق،، کے نام سے ایک کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

شعروشاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے

شعروشاعری سے بھی دلچسپی تھی، جوشعر بھی آپ کو پسند آتا اسے کاپی میں نوٹ کر لیتے تھے، بندے کے کچھ اشعار گجراتی اوراردو زبان میں بذریعہ واٹس ایپ آپ کے پاس پہنچے تو باقاعدہ مجھے واٹس ایپ کے توسط سے مبارکبادی کا پیغام بھیجا اور حکم کیا کہ اسے کتابی شکل میں شائع کروں،ایک مرتبہ احقر نے وقت پر کچھ اشعار تحریر کئے تھے کہ ۔

وقت ہی تو بدلہ ہے بدل جانے دو
پر وقت کی طرح تم نہ بدل جانا
وقت کے ساتھ بدلنے والے کم ظرف ہوتے ہیں

افسوس ایسے لوگ ہر جگہ ہر طرف ہوتے ہیں
سلام رشتے تو نبھانے کے لئے ہوتے ہیں
نہ کہ صرف دکھانے کے لئے ہوتے ہیں

اس کو پڑھ کر حضرت نے احقر کو لکھا کہ ۔

وقت کرتا جو ہم سے وفا
ہم بھی آپ کے پاس ہوتے
ہو گئے عالم فانی سے رخصت

آپ کے جہان فانی سے رخصت ہو جانے پر اب بندے کے علمی وادبی کاموں پر حوصلہ افزائی کون کرے گا؟ کام کرنے کا حوصلہ کون دے گا؟ وقت نے بھی واقعی وفا نہ کی اور آپ سدا کے لئے ہمیں چھوڑ کر بارگاہ حقیقی میں جا پہنچے۔

نہ دی وقت نے مزید فرصت
ہو گئے آپ عالم فانی سے رخصت
ہے جب تک دم میں دم
رہے گا دل کو آپ کی جدائی کا غم

(سلام لاجپوری)

صفائی کا اہتمام

کرتے صفائی کو خوب پسند تھے
گندگی کو کرتے بالکل ناپسند تھے
جو بھی ہوتا صفائی پسند ہے
ہوتا وہ لوگوں کا بھی من پسند ہے
نگاہ شرع میں صفائی نصف ایمان ہے
کرتا صفائی کو پسند ہر صاحب ایمان ہے

(سلام لاجپوری)

اسلام میں صفائی ستھرائی کی بہت زیادہ تاکید اور اہمیت ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں صفائی کو آدھا ایمان قرار دیا ہے فرمایا کہ ''الطھارۃ نصف الایمان ،،(مسلم شریف) نیز قرآن کریم میں ہے ''ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین ،،(سورۂ بقرہ آیت ۲۲۲) اس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں اور اللہ تعالی پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرتؒ کو بھی صفائی ستھرائی کا بہت اہتمام رہتا تھا، آپ کے لباس کو ہمیشہ صاف ستھرا ہی دیکھا گیا، کپڑے پر میل کچیل تو دور کبھی کوئی داغ بھی نہیں دیکھا گیا، صفائی ستھرائی کی عادت آپ کی ہر معاملے میں تھی، چاہے وہ کسی سے لین

دین ہو، گھر کی یا آنگن کی صفائی ہو، جس درس گاہ میں آپ پڑھاتے تھے اس میں ٹپائی پر جمی دھول اور درس گاہ کی صفائی بھی آپ خود کیا کرتے تھے۔

ملفوظات

حضرت مولانا ابراہیم پٹیل صاحبؒ کا ذکر خیر

فرمایا کہ: مولانا ابراہیم پٹیل لاجپوری جامعہ حسینیہ، راندیر کے فاضل تھے، جب تک صحت نے ساتھ دیا وہ جامعہ کے لئے رمضان المبارک میں چندہ کرتے رہے، یہ ان کی مادر علمی سے محبت کی علامت تھی۔

تعلق

فرمایا کہ: موصوف خاموش طبیعت کے مالک تھے، میرے ساتھ ان کا بہت اچھا تعلق تھا، ان کی بیماری کے ایام میں ان کو میں ملنے جاتا تو بہت خوش ہوتے اور ہمیشہ مجھے شربت پلا کر بھیجتے تھے۔

تدریسی خدمت

فرمایا کہ: موصوف نے ایک طویل عرصہ لاجپور کے مدرسہ اسلامیہ میں بطور مدرس تدریسی خدمت انجام دی، میں جس وقت مدرسہ اسلامیہ کا صدر تھا اس وقت ان کو کسی بچی کی شکایت کرنی ہوتی (مرحوم بچیوں کو پڑھاتے تھے) تو شکایت کا انداز بھی بڑا مشفقانہ ہوتا تھا، عام مدرس جس طرح شکایت کرتے تھے ان کا انداز اس سے بالکل مختلف ہوتا تھا، مرحوم ہمیشہ مدرسہ میں مدرسہ کے وقت سے پہلے حاضری دیتے تھے اور یہ معمول روزانہ کا تھا، مکتب کے سارے اساتذہ میں آپ ہی سب سے اول حاضر ہوتے تھے اور چھٹی کے وقت بھی چھٹی ہوتے ہی گھر نہیں چلے

جاتے تھے بلکہ کچھ دیر بعد آرام سے گھر جاتے تھے، چلتے وقت نگاہ ہمیشہ نیچی رکھتے تھے، قدم برز میں نظر بر قدم والا معاملہ تھا۔

نکاح

فرمایا کہ: ان کی شادی میں میں بھی شریک تھا، ان کا، احمد میاں کولا اور یوسف بھائی کولا تینوں کا نکاح ایک ساتھ ایک ہی مجلس میں ہوا تھا، تمام کی بیویاں آپس میں بہنیں تھیں۔

حافظ شبیر بلبلیا مرحوم کا مختصر تذکرہ

فرمایا کہ: حافظ شبیر محمد نالہ بلبلیا کو قرآن کریم خوب یاد تھا، مرحوم میرے درجہ حفظ کے ساتھی تھے، ہم بیس، پچیس طلباء نے درجہ حفظ میں ایک ساتھ داخلہ لیا تھا، ۱۹۵۸ء میں قاری محمد احمد چوکسی مانگرولی کا لاجپور میں بطور امام و مدرس تقرر عمل میں آیا تھا، استاذ مرحوم جامع مسجد میں امامت کراتے تھے اور صبح چھوٹی مسجد (مسجد ابوبکر) کے ساتھ جو مدرسہ ہے وہاں بچوں کو حفظ کی تعلیم دیتے تھے، بڑی عمر کی لڑکیاں بھی ان کے پاس قراءت پڑھنے آتی تھی، نماز ظہر کے بعد جامع مسجد میں پڑھاتے تھے، وہاں آپ کو بچے دور سناتے تھے، میں نماز فجر کے بعد سب سے اول حضرتؒ کو ان کے گھر پر جاکر قرآن کریم کا سبق سناتا تھا، بڑے مشفق استاذ تھے، غالبًا ۱۹۶۴ء تک آپ نے لاجپور میں پڑھایا تھا، بعدہ انڈیا سے ہجرت کرکے ری یونین تشریف لے گئے تھے، اس وقت لاجپور کا مدرسہ مجلس خدام الدین کے

ماتحت چلتا تھا، ہم بیس، پچیس طلباء جو حافظ ہونے کے لئے بیٹھے تھے ان میں سے دس طلباء کی قسمت میں حافظ ہونا لکھا تھا پھر ہنستے ہوئے فرمایا کہ ''تلک عشرۃ کاملہ''

الغرض! حافظ شبیر بلبلیا مرحوم کو قرآن کریم خوب یاد تھا، جو دس طلباء حافظ ہوئے تھے ان میں سب سے پختہ قرآن کریم حافظ شبیر بلبلیا کو یاد تھا، دس طلباء میں سب سے اول حافظ ہوئے تھے قاری عبدالصمد پٹیل، میں نے ڈھائی سال میں حفظ مکمل کیا تھا، سب سے اخیر میں تقریباً پانچ ساڑھے پانچ سال کے عرصہ میں حافظ ہوئے تھے حافظ مبین الحق صوفی اور سب سے بڑی عمر میں حافظ ہوئے تھے حافظ محمد بھانا بھائی جو کینیڈا میں مقیم ہے، حافظ بننے والے طلباء میں سب سے اچھی آواز حافظ سلیمان بلبلیا کی تھی جو برطانیہ کے شہر لیسٹر میں مقیم ہے۔

بعض مرتبہ ہم سب طلباء آپس میں مشورہ کر لیتے تھے کہ آج کوئی بھی استاذ جی کو دور نہیں سنائے گا، سب اس پر ایکا کر لیتے تھے، ہوتا یہ تھا کہ کوئی بھی طالب علم اگر استاذ جی کو دور نہیں سناتا تھا تو اس دن قاری صاحب سب کو چھٹی دے دیتے تھے، ہاں! اگر ایک بھی طالب علم نے دور سنا دیا تو پھر سب کی شامت آجاتی تھی، اب ہوتا یہ تھا کہ حافظ شبیر بھی مجلس میں تو ہماری ہاں میں ہاں ملاتے تھے مگر ساتھ قرآن کریم بھی یاد کرتے جاتے تھے، جیسے ہی قاری صاحب درس گاہ میں تشریف لاتے آنے کے ساتھ ہی آپ کی عادت تھی کہ ٹپائی پر لکڑی بجاتے اور

گویا ہوتے کہ چلو دور سناؤ je wahelo te pahelo فرسٹ کم فرسٹ تو حافظ شبیر ڈر کے مارے دوڑ سنانے چلے جاتے اس طرح ہمارا بنا بنایا پلان چوپٹ ہو جاتا، ان کے علاوہ ہم میں سے کسی اور نے تو دور یاد کیا نہیں ہوتا تھا اس طرح ہم سب پھنس جاتے تھے، چنانچہ ہمیں سزا کے طور پر ظہر کے بعد سے لے کر عشا تک چھٹی نہیں ملتی تھی، مگر کسی بچے کے والدین کی مجال نہیں تھی کہ آ کر استاذ جی سے سوال کرے کہ ہمارا لڑکا ظہر سے پڑھنے آیا تھا ابھی تک گھر کیوں نہیں آیا۔

فرمایا کہ حافظ شبیر صاحبؒ نے ماشاءاللہ پوری زندگی حافظ ہونے کے بعد سے لیکر جب تک صحت نے ساتھ دیا تراویح میں قرآن کریم سنایا اور ویسے بھی چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے بلکہ موٹر سائیکل پر بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے۔

خلافت

فرمایا کہ: پیرامن میں حافظ محمد صاحب تھے ''باجی،، کے لقب سے مشہور تھے، ان کو حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ اور دیگر اکابر نے خلافت سے سرفراز فرمایا تھا، انہوں نے مجھے خلافت دی تھی (تحریراً)۔

یاد آتی رہے گی

دنیا سے تو چلے گئے ہو دل سے کہاں جاؤ گے
تا عمر آپ ہمیں یاد بہت آؤ گے
سوچتا ہوں کیا اب کوئی ایسا آئے گا

جو آپ کی سی استقامت دکھائے گا
آپ کی استقامت کرامت سے کچھ کم نہ تھی
اسی لئے جدائی پر کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نم نہ تھی
دعا ہم سب کی اب یہی صبح و شام ہو
مقام آپ کا سلام دار السلام ہو

(سلام لاچپوری)

اس بزم سے سب کے سب اٹھتے جاتے ہیں
تسکین کے جو تھے سبب سب اٹھتے جاتے ہیں

(۳)

حضرت مولانا ابراہیم پٹیل صاحب رحمہ اللہ، سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ لاجپور

دوستانہ تعلقات

حضرت مولانا ابراہیم پٹیل صاحب سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ لاجپور سے احقر کے بڑے ابا جناب عبدالحئی بن احمد مالویا جو برطانیہ میں مقیم تھے مرحوم ہو چکے ہیں، اللہ تعالی مرحوم کو غریق رحمت کرے، ان سے دوستانہ تعلقات تھے، بڑے ابا کے برطانیہ مقیم ہو جانے کے باوجود دونوں کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، دونوں حضرات کے تعلقات تا دم حیات استوار رہے، بڑے ابا والد صاحب مرحوم کو ہر ماہ گھر خرچ کے لئے کچھ رقم دیا کرتے تھے، یہ رقم والد صاحب کو بذریعہ مرحوم پہنچتی تھی، عام طور پر والد صاحب خود ہی مولانا مرحوم سے ان کے گھر جا کر رقم وصول کرتے تھے، کبھی کسی وجہ سے اگر والد صاحب وقت مقررہ پر حاضر نہیں ہو پاتے تو مولانا مرحوم خود ہمارے گھر آ کر رقم دے جاتے تھے، والد مرحوم کو کینسر ہو جانے کے بعد احقر ہر ماہ مولانا مرحوم کے دولت کدہ پر حاضر ہو کر رقم وصول کرتا تھا، اس بہانہ حضرتؒ کے ساتھ کچھ وقت گذارنے کا موقع بھی مل جاتا تھا، والد صاحب کا انتقال بڑے ابا کی حیات ہی میں ہو چکا تھا، بڑے ابا نے والد صاحب کے انتقال کے بعد بھی امداد کا یہ سلسلہ بدستور جاری رکھا تھا۔

حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ سے خوب لگاؤ تھا

جب بھی ان کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا تو مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو کہ آپ نے کسی نہ کسی بہانے سے حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ

سابق شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر کا ذکر خیر نہ کیا ہو۔

فوٹو کاپی کرا کے اپنے پاس رکھ لے

ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ مولانا احمد اللہ صاحبؒ کا ہمارے گاؤں میں بیان تھا، بیان میں حضرتؒ نے شاہ روم نے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں جو سات سوالات لکھ بھیجے تھے وہ اور حضرت ابن عباسؓ سے پوچھے گئے نو معمے کا ذکر کیا تھا، یہ کہتے ہوئے کرسی سے اٹھے اور گھر میں جا کر چند صفحات اپنے ساتھ لے کر لوٹے، مجھے خود اس کا مضمون پڑھ کر سنایا، نیز فراغت پر فرمایا کہ لے یہ کاغذات اپنے ساتھ لے جا اور اسے فوٹو کاپی کرا کے اپنے پاس رکھ لے کام آئیں گے، اس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ روم کے بادشاہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے پاس ایک خط لکھا جس میں درج ذیل سوالات تھے

(۱) افضل الکلام کونسا ہے اور اس کے بعد دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں کونسا ہے؟

(۲) اللہ تعالی کے نزدیک بزرگ ترین بندہ اور بزرگ ترین بندی کون ہے؟

(۳) وہ چار نفوس کون سے ہیں جو ہے تو ذی روح لیکن انہوں نے اپنی ماں کے پیٹ میں پیر نہیں پھیلائے؟

(۴) وہ کونسی قبر ہے جو صاحب قبر کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی ہے؟

(۵) مجرۃ۔ آمد ورفت کی جگہ کیا ہے؟

(۶) قوس یعنی کمان کیا چیز ہے؟

(۷) وہ کونسی جگہ ہے جہاں آفتاب صرف ایک بار طلوع ہوا ہے نہ کبھی اس سے پہلے طلوع ہوا نہ کبھی اس کے بعد طلوع ہوگا؟

حضرت معاویہؓ نے یہ خط پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ خدا اس کو ذلیل کرے ہم کو ان باتوں کا کیا علم؟ آپ کو کسی نے مشورہ دیا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس خط لکھ کر معلوم کر لیجئے، چنانچہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس خط لکھا تو وہاں سے یہ جواب ملا

(۱) افضل الکلام کلمۂ اخلاص لا الہ الا اللہ ہے اس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔

دوسرے نمبر پر سبحان اللہ وبحمدہ ہے جو اللہ تعالی کی رحمت لانے میں معین ہے۔

تیسرے نمبر پر اللہ اکبر اور چوتھے نمبر پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔

(۲) اللہ عزوجل کے نزدیک بزرگ ترین بندہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے ان کو اپنے ہاتھوں وجود بخشا اور ان کو کچھ چیزوں کا علم سکھایا اور بزرگ ترین بندی حضرت مریمؑ ہیں جنہوں نے اپنی عصمت محفوظ رکھی تو اللہ تعالی

نے ان کے شکم میں اپنی پیدا کردہ روح پھونکی۔

(۳)وہ چار نفوس جنہوں نے اپنی ماں کے پیٹ میں پیر نہیں پھیلائے یہ ہیں

(۱)حضرت آدم علیہ السلام (۲)ماں حواّ (۳) ناقۂ حضرت صالح (۴)وہ مینڈھا جسے حضرت اسماعیل علیہ اسلام کے فدیہ میں اللہ تعالی نے نازل فرمایا تھا بعض نے کہا ہے کہ وہ حضرت موسی علیہ السلام کا عصا ہے جو زمین پر گرتے ہی اژدہا بن جاتا تھا۔

(۴)وہ قبر مچھلی ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے شکم میں لئے دریا میں گھومتی پھرتی تھی۔

(۵)وہ باب السماء (آسمان کا دروازہ ہے)

(۶)قوس یعنی دھنک قوم نوح کے غرق ہونے کے بعد اہل زمین کے لئے امان کی نشانی تھی۔

(۷)وہ جگہ بحر قلزم کا وہ راستہ ہے جو اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے لئے دریا سے پار ہونے کے لئے خشک کر دیا تھا اور فرعون اور آل فرعون کو غرقاب کرنے کے لئے بنا دیا تھا۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حماد ابن محمد کی سند سے تحریر کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے ان معموں کا حل پوچھا، تو آپ نے یہ

جوابات دیئے۔

سوالات

(۱)وہ کیا چیز ہے جس میں نہ گوشت ہے، نہ خون مگر وہ بولتی ہے۔

(۲)وہ کیا چیز ہے جس میں نہ گوشت ہے، نہ خون مگر وہ دوڑتی ہے۔

(۳)وہ کیا چیز ہے جس میں نہ گوشت ہے، نہ خون مگر وہ سانس لیتی ہے۔

(۴)وہ چار چیزیں کونسی ہیں جن میں نہ گوشت ہے، نہ خون مگر جب ان سے خطاب کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔

(۵)وہ کونسا فرشتہ ہے جسے اللہ تعالی نے مبعوث فرمایا مگر وہ نہ انسان ہے، نہ جن، نہ فرشتہ۔

(۶)وہ کونسا جاندار ہے جو مر گیا اور اس کی وجہ سے دوسرا جاندار جو مر گیا تھا جی اٹھا۔

(۷)حضرت موسی علیہ السلام کی والدہ نے ان کو دریا میں ڈالنے سے پہلے کتنے دنوں ان کو دودھ پلایا، کس دریا میں ڈالا، اور کس دن ڈالا۔

(۸)حضرت آدم علیہ السلام کے قد کی لمبائی کتنی تھی، آپ کی عمر کتنے برس ہوئی اور آپ کا وصی کون تھا؟

(۹)وہ کونسا پرندہ ہے جو انڈے نہیں دیتا اور اسے حیض آتا ہے۔

جوابات

(۱)وہ جہنم ہے قیامت کے دن باری تعالی پوچھے گا ''ھل امتلئت،،کیا تیرا پیٹ بھر گیا تو وہ گویا ہوگی ''ھل من مزید،،کیا کچھ اور بھی ہے۔

(۲)وہ عصائے موسوی ہے جو اژدہا بن جاتا تھا تو زندہ سانپوں کی طرح دوڑتا تھا۔

(۳)وہ صبح ہے کیونکہ قرآن شریف میں ہے ''والصبح اذاتنفس،،باری تعالی فرماتا ہے قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے۔

(۴)وہ زمین وآسمان ہیں جب اللہ تعالی نے ان کو حکم دیا کہ چلے آؤ خواہ خوشی سے خواہ زبردستی انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں۔

(۵) یہ وہ کوا ہے جس کو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند قابیل کے پاس بھیجا تھا کہ وہ قابیل کو اپنے بھائی ہابیل کی لاش دفن کرنے کا طریقہ سکھلا دے۔

(۶)بنی اسرائیل کی وہ گائے ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں آیا ہے جس کو ذبح کر دیا گیا تھا اور اس کے گوشت کے لوتھڑے سے وہ مقتول زندہ ہوگیا جس کو بنی اسرائیل کے ایک شخص نے مار ڈالا تھا۔

(۷) تین ماہ دودھ پلایا، بحر قلزم میں ڈالا اور جمعہ کے دن ڈالا۔

(۸)حضرت آدم علیہ السلام کے قد کی لمبائی ساٹھ ذراع تھی، عمر نوسو

چالیس برس ہوئی اور آپ کے وصی حضرت شیث علیہ السلام تھے۔

(۹) وہ پرندہ چمگاڈر ہے جس کو اللہ تعالی کے حکم سے حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، چمگاڈر بچے دیتی ہے اور حیض بھی آتا ہے۔

علمی ذخیرہ

مرحوم کو اپنے تمام اساتذہ میں حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ سے خوب عقیدت تھی، حضرت کا ذکر خوب مزے لے لے کر کیا کرتے تھے، آپ کے پاس ایک فائل تھی جس میں حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ کی تقاریر کے اہم اہم علمی نکات لکھ رکھے تھے۔

مداح

آپ کے پاس حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ کے بیانات کی کچھ cassette بھی تھی جسے آپ وقتاً فوقتاً سنتے رہتے تھے، نیز پاکستان کے مشہور مقرر مولانا عبد المجید ندیم کے بیانات کی بھی کچھ cassette تھی، مرحوم ان کے انداز خطابت کے خوب مداح تھے۔

تعلیم

آپ نے درجہ عالمیت کی تعلیم گجرات کی قدیم ومشہور دینی دانش گاہ ''جامعہ حسینیہ، راندیر،، میں حاصل کی تھی بعدہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے تھے، غالباً حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا۔

ٹوپی

گجرات میں اور خاص طور سے ہمارا جو علاقہ ہے اس طرف لمبی ٹوپی جو مولانا ابوالکلام آزاد پہنتے تھے اس کے پہننے کا رواج نہیں ہے، ہاں! یہ ٹوپی کچھ لوگ جب دولہا بنتے ہیں مجلس نکاح میں استعمال کرتے ہیں یا کہہ لیجئے کرتے تھے، اب تو مجلس نکاح میں بھی اس طرح کی ٹوپی کا استعمال نظر نہیں آتا ہے، ہماری طرف عام حالات میں جیسی ٹوپی حضرت مولانا استعمال کرتے تھے بہت کم لوگ بلکہ بہت ہی کم لوگ استعمال کرتے تھے۔

کرتہ، پاجامہ

قمیص میں آپ سفید رنگ کے علاوہ دیگر رنگ کے کپڑے بھی زیب تن کرتے تھے، قمیص کے ساتھ عام طور پر جس طرح کی شلوار (ازار) ہماری طرف استعمال کی جاتی ہے ویسی ازار کا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ یو، پی اور دیگر صوبہ میں قمیص کے ساتھ جو پاجامہ استعمال کیا جاتا ہے ویسا پاجامہ استعمال کرتے تھے۔

تدریس

ایک طویل عرصہ ''مدرسہ اسلامیہ لاجپور،، میں مکتب کے بچوں کو دینیات کی تعلیم دی۔

نماز باجماعت کے خوب پابند تھے

مرحوم نماز باجماعت کے خوب پابند تھے، یومیہ پانچوں نمازیں محلّہ کی

مسجد ''مسجد عثمان،، میں صف اول میں ادا فرماتے تھے،نماز کے لئے اپنے گھر سے سائیکل پر آتے اور مسجد کے قریب ایک مکان میں سائیکل رکھ کر مسجد نماز کی ادائیگی کے لئے تشریف لاتے،سائیکل ہمیشہ شاندار (نئی) اور گردوغبار سے پاک یعنی بالکل صاف ستھری چمکدار رکھتے تھے،سائیکل پر کسی بھی موسم میں کہیں کوئی زنگ یا خرابی کا نشان نظر نہیں آتا تھا۔

وظیفہ کی تلقین

حضرت نے برطانیہ کا سفر بھی کیا تھا، میں جب برطانیہ آرہا تھا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ میں نے برطانیہ کے سفر میں تیرے بڑے ابا جناب عبدالحئی مالویا کے مکان پر چندروز قیام کیا تھا، تیرا بھی وہاں جانا ہوگا اس مکان کے فلاں روم میں مجھے جنات نظر آیا تھا تو وہاں قیام کرے تو کچھ وظیفے بتائے کہ اس کو پڑھتے رہنا

معالجین

مولانا مرحوم کا مکان ڈوکرات فیملی کے پڑوس میں تھا،مولانا کا مکان جس جگہ واقع ہے وہاں میں نے ایک چیز ایسی نوٹس کی جو پورے گاؤں میں کسی اور جگہ نظر نہیں آتی،وہ یہ کہ مرحوم کے مکان کے بالکل سامنے ڈاکٹر کریٹ بھٹ کا شفاخانہ ہے اور پڑوس میں یعنی ایک مکان چھوڑ کر موسی دادا ڈوکرات کا مکان ہے، جو بیمار ہوتا گر اسے انگریزی دوا استعمال کرنی ہوتی تو ڈاکٹر کریٹ کے شفاخانہ

کا رخ کرتا،اور جس کے پاؤں یا جسم کے دیگر اعضاء میں موچ آجاتی تو وہ موسی دادا ڈوکرات کے گھر کا رخ کرتا اور جسے عملیات کی لائن سے علاج کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ حضرت مولانا مرحوم کے دولت کدہ پر حاضری دیتا،گویا قریب قریب میں تین طرح کے معالج ساتھ ساتھ رہتے تھے جو جس طرح کے علاج کی ضرورت محسوس کرتا تھا ادھر کا رخ کرتا تھا،الغرض! مولانا مرحوم عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے عامل بھی تھے،آپ کے علاج سے بفضل الٰہی لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا تھا، میں اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ لاجپور میں اس مقام پر پہنچکر مریض کے پاس تینوں آپشن موجود رہتے ہیں کہ اپنے مرض کی تشخیص کس سے کرانی ہے)

پانی پر دم کا جواز

پڑھ لیجئے آیت کوئی الحمد سے والناس تک
ہر حرف ہے نعت نبی الحمد سے والناس تک
ذات نبی ذات خدا سمجھائے گا کیا فلسفہ
قرآن پڑھ اے فلسفی الحمد سے والناس تک
درد کوئی تڑپائے جو دل سکوں نہ آئے تو
پانی پہ دم کر کر کے پی الحمد سے والناس تک

مفتی عبدالواحد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کسی بیماری اور تکلیف کو دور

کرنے کے لئے جہاں کچھ مادی ذرائع ہیں مثلاً ادویات وغیرہ اسی طرح کچھ غیر مادی ذرائع بھی ہیں جس کی ایک بڑی واضح حسی مثال ہومیو پیتھک دواؤں کی ہے، ان میں مادی دوا کی مقدار تو کم ہوتے ہوتے تقریباً کالعدم ہوجاتی ہے لیکن چند جھٹکے دینے سے اس کی تاثیر بڑھتی جاتی ہے، قرآن پاک میں ہے حضرت موسی علیہ السلام کے مقابلہ پر جو جادوگر آئے انہوں نے اپنے عمل کے ذریعہ سے نظر بندی کردی اور سب حاضرین کو ان کی پھینکی ہوئی رسیاں سانپ نظر آنے لگیں، حضرت مریمؑ کے دامن میں فرشتے کے دم کرنے سے ان کو حمل ٹھہر گیا، الغرض! بعض کلمات کے اثرات ہیں جو اللہ تعالی نے ان میں رکھے ہیں اور کلمات میں اصل تو اللہ تعالی کا نام اور اس کا کلام ہے جس میں مادی و روحانی اثرات پائے جاتے ہیں۔

حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم جاہلیت کے دور میں (کچھ پڑھ کے) دم کرتے تھے، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کی اس (دم کرنے) کے بارے میں کیا رائے ہے، آپ نے فرمایا دم کرنے میں جو کچھ تم پڑھتے ہو وہ مجھے بتاؤ (وہ سن کر آپ نے فرمایا) بذات خود دم کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک اس میں شرکیہ کلمہ نہ ہو۔

یہ تو پانی یا کسی شئے پر دم کے جواز کی دلیل معلوم ہوئی، مولانا مرحوم بھی بعض مریضوں کو پانی پر دم کردیتے تھے اس سے فائدہ بھی ہوتا تھا، جہاں آپ پانی پر

دم کر کے مریضوں کو دیتے تھے وہیں تعویذ بھی دیتے تھے، پانی پر دم کے ساتھ اب رہا تعویذ کا مسئلہ اس کے تعلق سے حضرت تحریر فرماتے ہیں

ابو عصمہ کہتے ہیں میں نے (حضرت ابو ہریرہؓ کے داماد) حضرت سعید بن مسیّبؒ سے تعویذ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''لاباس اذا کان فی ادیم،، یعنی جب وہ چمڑے کے اندر (سلا) ہو تو کچھ حرج نہیں۔

حضرت جعفر صادق اپنے والد حضرت محمد باقرؒ کے بارے میں کہتے ہیں ''انہ کان لا یری باسا ان یکتب القرآن فی ادیم ثم یعلقہ ،، وہ قرآنی آیت کو لکھ کر چمڑے میں بند کرتے (تاکہ تعویذ کھلا نہ رہے اور بیت الخلاء میں جانے سے بے ادبی نہ ہو) پھر اس کو گردن میں لٹکانے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت محمد بن سیرین کے بارے میں ہے ''انہ کان لایری باسا بالشئی من القرآن ،، یعنی وہ قرآنی تعویذ میں کچھ حرج خیال نہ کرتے تھے۔

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا فتوی تھا کہ ''لا باس ان یعلق القرآن ،، یعنی قرآنی تعویذ لٹکانے میں کچھ حرج نہیں ہے (فہم حدیث ج۱ص۵۳۵ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الطب)

مرحوم ضرورت مندوں کو تعویذ بھی دیا کرتے تھے اور پانی پر دم بھی کر دیا کرتے تھے اس لائن میں آپ کی اچھی خاصی شہرت تھی، اللہ تعالی ان کے اس عمل

سے پریشان حال لوگوں کی پریشانی دور بھی فرمادیا کرتے تھے۔

تعویذ کے تعلق سے چند ضروری باتیں

مسائل بہشتی زیور حصہ دوم میں ہے، تعویذ اور عمل میں یہ تفصیل ہے کہ

اگران میں شیاطین سے استعانت (امداد) ہوتو ہر حال میں حرام ہے خواہ مقصود اچھا ہو یا برا، اگران میں اسمائے الٰہیہ سے استعانت ہو اور مقصود بھی جائز ہو جیسے حلال نوکری کے واسطے پڑھے یا کوئی مقروض ہو وہ ادائے قرض کے واسطے عمل پڑھے تو جائز ہے اور اگر مقصود ناجائز ہے مثلاً کسی اجنبی عورت کو مسخر کرنے کے واسطے پڑھا ہے تو حرام ہے کیونکہ اگر بلا نکاح ہی مسخر کرنا مقصود ہے تو چونکہ اس شخص سے نکاح کرنا اس عورت کے ذمہ واجب نہیں ہے یہ بھی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ۔اگر کسی کی بیوی نافرمان ہو اور اس کے مسخر کرنے کے واسطے عمل پڑھے تو جائز ہے، اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اس کے لئے عمل پڑھنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ۔کوئی عورت اپنے شوہر کو تابعدار بنانے کے واسطے عمل پڑھے تو اس میں تفصیل ہے، اگر وہ ادائے حقوق میں کمی کرتا ہے تو اس درجہ کو حاصل کرنے کے لئے جائز ہے اور حقوق ادا کرتا ہے تو محض عاشق ومفتون بنانے کے لئے عمل کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ۔عملیات میں اس بات کا بہت لحاظ رکھنا چاہئے کہ الفاظ جائز ہوں

اور قرآن پاک کے الفاظ کو بگاڑا نہ گیا ہو۔

مسئلہ۔تعویذ پانی میں گھول کر پلانا جائز ہے۔

مسئلہ۔جس پانی میں کوئی تعویذ ڈالا گیا ہو یا کچھ آیات پڑھ کر دم کیا گیا ہو اس پانی کو اپنے جسم پر بہانا جائز ہے البتہ یہ خیال رکھا جائے کہ وہ پانی عام نالیوں اور گٹر میں نہ جائے بلکہ کسی پاک جگہ میں ڈال دیا جائے۔

مسئلہ۔تعویذ کپڑے میں لپٹا ہوا ہو پھر اگر وہ گلے میں پڑا ہو تو بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے اس کو اتارنا ضروری نہیں۔

مسئلہ۔جب جان کا خطرہ لاحق ہو اور دوسرا جائز علاج کارگر نہ ہو رہا ہو تو کسی غیر مسلم سے بھی علاج کروا سکتے ہیں، بشرطیکہ خود شرکیہ یا کفریہ کلمات زبان سے ادا نہ کرنے پڑتے ہوں اور وہ غیر مسلم عامل خود ہی اپنے عمل کے ذریعہ سحر کے مضر اثرات کو دفع کرتا ہے تو بوجہ مجبوری ایسا عمل کرانے اور اس پر اجرت دینے کی گنجائش ہے۔

مسئلہ۔عمل اور تعویذ میں اگر ایسے الفاظ ہوں جن کا مطلب معلوم نہ ہو تو اس کو پڑھنا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ۔جو عمل دنیا کے واسطے ہوتے ہیں وہ موجب ثواب نہیں ہوتے، ان میں ثواب کا اعتقاد رکھنا بدعت ہے، ایسے عملیات کو مسجد میں بیٹھ کر نہیں پڑھنا چاہئے۔

مسئلہ۔تعویذ لکھنے پر اجرت لینا جائز ہے لیکن اس وقت مسجد میں بیٹھ کر تعویذ نہ لکھنا چاہئے۔

مسئلہ۔سونے چاندی کے تعویذ کا استعمال نہ مردوں کے لئے جائز ہے اور نہ عورتوں اور لڑکیوں کے لئے کیونکہ تعویذ کا خول برتن کے حکم میں ہے۔

مسئلہ۔جن اگر کسی تدبیر سے پیچھا نہ چھوڑے تو اس کو جلا کر مار ڈالنا جائز ہے۔(مسائل بہشتی زیور حصہ دوم ص ۲۷۸۔۲۷۹)

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ آج کل تعویذ گنڈوں کے بارے میں عوام کے عقائد میں بہت غلو ہو گیا ہے، خصوصاً دیہاتی لوگ تو ہر مرض کو آسیب ہی سمجھتے ہیں، ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میری اولاد نہیں ہوتی تعویذ دے دو، میں نے کہا کہ اگر تعویذ سے اولاد ہوا کرتی تو کم از کم میرے ایک درجن اولاد ہوتی، حالانکہ ایک بھی نہیں۔

ایک پہلوان نے بمبئی سے خط لکھا کہ کشتی کے لئے ایک تعویذ دے دو تا کہ میں غالب رہا کروں، میں نے لکھا کہ اگر دوسرا بھی ایسا ہی تعویذ لکھوا لے تو پھر تعویذوں میں کشتی ہوگئی۔

اگر عوام کے عقائد کی یہی حالت رہی اور تعویذوں کی یہی رفتار رہی تو شاید چندروز میں لوگوں کے ذہن میں نکاح کی بھی ضرورت نہ رہے گی، اس لئے کہ نکاح میں تو بکھیڑا ہے، وقت صرف ہوتا ہے، قسم قسم کی کوشش میں تکلیف اٹھانی پڑتی

ہے،مال صرف ہوتا ہے،نان ونفقہ لازم ہوتا ہے،غرض بڑے بکھیڑے ہیں،یہ درخواست کیا کریں گے کہ ایسا تعویذ دے دو کہ عورت کے بغیر اولاد ہوجایا کرے،بھلاکس طرح اولاد ہوجایا کرے گی۔

نوٹ۔معلوم ہواتعویذ میں غلو نہ ہونا چاہئے۔

شہرہ

کہاں وہ لوگ کہ جن کے عمل کا شہرہ تھا

کچھ اس زمانے میں رکھتا نہیں اثر تعویذ

الغرض! حضرت مرحوم ضرورت مندوں کو تعویذ بھی دیا کرتے تھے اور پانی پر دم بھی کر دیا کرتے تھے اوراس لائن میں آپ کی شہرت بھی تھی اور دیکھا گیا کہ اللہ تعالی ان کے اس عمل سے پریشان حال لوگوں کی پریشانی دور بھی فرماتے تھے۔

برائے شناخت امراض

مرحوم امراض کی شناخت کے لئے ایک خاص عمل کرتے تھے وہ عمل یہ تھا کہ اول مریض کو کھڑا کر کے دھاگہ سے ناپتے تھے، پھر سورۂ فاتحہ تین بار،آیۃ الکرسی تین بار شروع صافات تا ''لازب،،ایک بار سورۂ جن شروع تا ''شططا،،ایک بار تینوں قل ''قل ھو اللہ احد،قل اعوذ برب الفلق،قل اعوذ برب الناس، ،ایک ایک بار''قل لا املک، ،پوری آیت ایک بار(سورۂ اعراف پارہ۹) تا ''یؤمنون،،اور دوبارہ ناپتے تھے اگر ایک انگل گھٹے یا بڑھے تو فرماتے اثر ہمزاد

ہے،اور اگر دو انگل گھٹے یا بڑھے تو فرماتے اثر شیطان ہے، تین یا چار انگشت گھٹے یا بڑھے تو فرماتے اثر سحر ہے۔

نیز کبھی یہ بھی کرتے کہ مریض کو کھڑا کر کے دھاگہ سے ناپتے تھے اور سات گرہیں لگاتے تھے، پھر اس دھاگہ پر تین مرتبہ پھونکتے تھے، پھر دوبارہ ناپتے تھے اگر دھاگہ گھٹ جاتا تو فرماتے کہ تمہیں کسی کی نظر لگی ہے۔

تین تعویذ لکھ کر دیتے تھے

اکثر آنے والے کو علاج کی ضرورت محسوس کرنے پر تین تعویذ لکھ کر دیتے تھے (۱) تکیہ کے نیچے رکھنے کی (۲) گلے میں پہننے کی (۳) پانی میں ڈال کر پینے کی، بفضل الٰہی بہت سے لوگوں کو اس سے فائدہ بھی ہوتا تھا۔

بخار کا دم

اگر کسی کو سخت بخار ہوتا جس کو ہماری طرف سر پر بخار سوار ہونا کہتے ہیں ایسے مریض کو آپ پڑھ کر دم کرتے تھے۔

ان کو صحت ہوگئی، مجھے اسی کی خوشی ہے

رفیق مکرم حافظ محمد قاسم بلبلیا نے بتایا کہ لاجپور کے پڑوس میں بستی ہے کنساڈ kansad وہاں ایک غیر مسلم بھائی کو ہمیشہ پیٹ کا درد رہتا تھا، ان کی جان پہچان کاروبار کی وجہ سے ان کے والد صاحب سے تھی، اس نے حافظ صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ مجھے پیٹ کے درد کی شکایت رہتی ہے، میں نے ڈاکٹری لائن سے

علاج کرایا لیکن تکلیف دور نہیں ہو رہی ہے، حافظ صاحب نے ان کو مولانا مرحوم کے پاس بھیجا، حضرتؒ نے کچھ پڑھ کر دم کیا اور پھر تعویذ دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ یہ لو اور اوپر والے پر بھروسہ رکھو وہ آپ کو ضرور اچھا کر دے گا، کچھ دن بعد ان کی وہ تکلیف دور ہوگئی، تو وہ صاحب دو مرغی لے کر آئے مولانا مرحوم کے لئے رفیق مکرم کہتے ہیں کہ میں وہ لے کر حضرت کی خدمت میں پہنچا مگر آپ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ میں نے ان کا علاج اس غرض سے نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس غرض سے میں کسی کا علاج کرتا ہوں، ان کو صحت ہوگئی مجھے اس بات کی خوشی ہے۔

پابندئ وقت مثالی تھی

آپ وقت کے خوب پابند تھے، ہر کام وقت پر کرنے کے عادی تھے، نماز کے لئے مسجد تشریف لاتے تو اس میں بھی ہمیشہ وقت پر مسجد میں حاضری ہوتی، میں نے کبھی ان کو کسی نماز میں مسبوق نہیں پایا، یہی معاملہ مکتب کی تدریس کا بھی تھا، جب تک آپ تدریس سے منسلک رہے ہمیشہ مدرسہ کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی درس گاہ میں حاضر ہو جاتے، اس وقت مکتب کے جتنے مدرسین تھے ان میں سب سے اول مدرسہ میں حاضری آپ کی ہی ہوتی تھی۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم

ایک وقت مدرسہ اسلامیہ پر ایسا بھی آیا کہ اٹھارہ مہینے اور دوسری روایت کے اعتبار سے ۲۴ مہینے تک مولانا مرحوم اور دیگر مدرسین کو تنخواہ نہیں ملی پھر بھی یہ

حضرات پڑھاتے رہے کسی کی زبان پر حرف شکایت نہیں آیا۔

چلنے میں حضرت مولانا مرحوم کا معمول

نظر بر قدم ہوں قدم برز میں ہوں
یقیناً یہ صورت تو ہے اختیاری
نہ روکا نظر کو جو بے باکیوں سے
تو لٹ جائے گی دل کی پونجی ہی ساری

آپ ہمیشہ نیچی نگاہ کر کے چلتے تھے، یہ وہ عظیم سنت ہے جو انسان کو بد نظری سے بچاتی ہے جسے ہر مسلمان کو اپنانا ہے۔

بیٹھک

ہر شب مغرب کی نماز کے بعد اپنے ہم زلف احمد میاں کولا مرحوم کے مکان پر ہوتی تھی اور دن میں ساڑھے دس بجے سے لے کر بارہ بجے تک حافظ محمود کا سوجی (المعروف بہ پان کھاؤ، جن کو محمود موٹا بھی کہتے تھے) کے مکان پر ہوتی تھی۔

امرود

امرود ہوں جو پکے ان کو ضرور توڑیں
سب کام چھوٹ جائے یہ کام ہم نہ چھوڑے
(ظفر کمالی بتغیر)

آپ کے گارڈن میں امرود jamrukh کا پیڑ تھا، اس پر جو امرود لگتے تھے بہت شیریں ہوتے تھے اس امرود کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ وہ سرخ ہوتے تھے، بعض لوگ اس بہانے سے بھی مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضری دیتے کہ حضرت سرخ امرود سے خاطر تواضع کریں گے۔

چندہ

ہر سال رمضان المبارک میں مادر علمی ''جامعہ حسینیہ، راندیر،، کا چندہ گاؤں لاجپور میں گھوم پھر کر کرتے تھے، واقعی یہ بڑی خوبی کی بات ہے کہ پیرانہ سالی اور امراض کے باوجود مادر علمی کو فراموش نہ کیا، آج کل کے فضلاء میں یہ عمل ناپید ہو رہا ہے الا ماشاءاللہ۔

نیا مکان

فنا ہو جائے گی ہر چیز جانتا ہوں
پھر بھی اپنی بستی میں اک گھر بنانا چاہتا ہوں

ایک طویل عرصہ آپ نے پرانے مکان میں گذارا، بعدہ ایک نیا شاندار مکان تعمیر کرایا تھا، پرانے مکان اور نئے مکان دونوں کے برآمدے میں لکڑی کی ایک بیٹھک تھی جسے ہماری طرف flat کہتے ہیں حضرتؒ فارغ اوقات میں اکثر وہیں پر بیٹھے ہوتے تھے، طبیعت میں وصف خاموشی غالب تھا۔

نکاح

آپ کے نکاح کی تقریب ایک اعتبار سے اجتماعی نکاح کی تقریب تھی، حضرت مولانا مرحوم، احمد میاں کولا اور یوسف چچا کولا تینوں کا نکاح ایک ساتھ ایک ہی مجلس میں ہوا تھا، یہ سب آپس میں ہم زلف تھے۔

صدقۂ جاریہ

مولانا مرحوم لاولد تھے ہاں روحانی اولاد کی ایک طویل فہرست ہے جو یقیناً ان کے لئے صدقۂ جاریہ ہے، اللہ تعالی حضرت کی بھرپور مغفرت فرمائے، آپ کی تمامی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، جنت الفردوس میں بلند و بالا مقام عطا فرمائے، آمین۔

ہم مانگتے ہیں صدق دل سے یہ دعا
کہ پائیں وہ جنت الفردوس میں جگہ

آئے عشاق گئے وعدۂ فردالیکر
اب ڈھونڈانہیں چراغ رخ زیبالیکر

(۴)

یادگار اسلاف، رونق لاجپور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا یوسف صاحب گارڈاؒ

حسن یوسفی

حضرت کا اسم گرامی ’’یوسف،، تھا، جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن مشہور ہے، مولانا ادریس کاندھلویؒ نے ’’معارف القرآن،، میں لکھا ہے کہ ’’حسن یوسفی جنت کے حور وغلمان کی مانند تھا،،۔

اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے کہ اللہ تعالی نے جو حسن تقسیم کیا ان میں سے ’’آدھا حسن،، تنہا حضرت یوسف علیہ السلام کو عنایت فرمایا اور بقیہ آدھا حسن حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے انسانوں میں تقسیم کیا۔

حضرت مولانا کو اللہ تعالی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے نام سے ایک ادنی مناسبت کا اثر کہہ لیجئے کہ ظاہری حسن سے بھی خوب نوازا تھا، ان کا چہرہ دیکھ کر دل کہہ اٹھتا تھا کہ

لیس بوجه كذاب

یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔

لطیفہ

سرنیم گارڈا تھا، ہماری طرف جو گجراتی زبان بولی جاتی ہے اس میں اس کا معنی ہوتا ہے عمر رسیدہ تو سرنیم کی مناسبت کہہ لیجئے کہ اللہ تعالی نے آپ کو طویل عمر بھی عطا فرمائی۔

شب جمعہ کی موت

حضرتؒ کو اللہ تبارک وتعالی نے ایک ایسی سعادت مقدر فرمائی جس کی تمنا تقریبا ہر مسلمان کو ہوا کرتی ہے وہ ہے شب جمعہ یا روز جمعہ کی موت، جو مسلمان اس میں وفات پاتا ہے اس کے لئے حدیث پاک میں ایک اہم بشارت سنائی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ما من مسلم یموت یوم الجمعة او لیلة الجمعة الا وقاه الله فتنة القبر (ترمذی جلد ا ص ۱۰۵ باب ماجاء فی من یموت یوم الجمعۃ)

جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں وفات پاتا ہے اللہ تعالی اسے قبر کے فتنہ سے محفوظ فرمادیتے ہیں۔

اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من مات یوم الجمعة او لیلة الجمعة اُجیر من عذاب القبر وجاء یوم القیمة علیه طابع الشهداء (شرح الصدور ص ۲۰۹)

جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہوتا ہے اسے عذاب قبر سے پناہ دیدی جاتی ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی، نیز فرمایا کہ

لقی الله ولا حساب علیه (شرح الصدور ص ۲۰۹)

وہ اللہ تعالی سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر کسی قسم کا حساب نہیں ہوگا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن وفات پانے والے کوصرف ان ایام میں عذاب نہیں ہوتا یا قیامت تک معافی مل جاتی ہے اس کا جواب علماء نے یہ لکھا ہے کہ مومن کو قیامت تک معافی مل جاتی ہے (فضیلت کی راتیں فضائل ومسائل ص ۱۵ا تا ۱۷ا بتغیر)

جوڑ

چلئے ابجد سے رب یسر ولا تعسر کہہ کر

تب تو امید تمت بالخیر ہوسکتی ہے (اکبرالہ آبادی)

حضرتؒ نے لاجپور کے ’’مدرسہ اسلامیہ،، میں کم وبیش پچاس سال تک تدریسی خدمت انجام دی ، مکتب میں جب بچے تختی شروع کرتے ہیں تو کتاب شروع کرانے سے پہلے استاذ جی طلباء سے کہلواتے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر وبک نستعینک یا فتاح

شروع کرتا ہوں اللہ تعالی کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے،اے پروردگار!اس کتاب کو(پڑھنا،سمجھنا،یاد کرنا) ہمارے لئے آسان کردے،مشکل نہ فرمااور خیریت سے اختتام تک پہنچا۔

حضرتؒ نے پوری زندگی طلباء سے یہ کہلوایا کہ پروردگار عالم! کتاب جو شروع ہونے جارہی ہے اس کو پڑھنا ہمارے لئے اپنے فضل سے آسان فرما اور بعافیت اس کا اختتام فرما ،اللہ تعالی جہاں اس دعا کی برکت سے طلباء کے لئے

کتاب کا آغاز اور اختتام آسان فرما دیتے تھے ویسے ہی حضرتؒ کی زندگی کی کتاب جب ختم ہونے کو آئی تو اسے ''جمعہ کے دن حسن اختتام کروا کر ہمیشہ کے لئے آگے کا معاملہ آسان فرما دیا ہوگا (ان شاء اللہ)

تعطیل

ہے عدم کی راہ کتنی ہموار انیس
آنکھ بند کئے لوگ چلے جاتے ہیں
(میر انیس)

زمانہ تدریس میں ''جمعہ،، کا دن آپ کا یوم تعطیل ہوا کرتا تھا، دنیا کے مدرسہ سے بھی جمعہ کے دن ہی حقیقی سفر پر روانہ ہوئے۔

صف اول شیطان کے شر سے محفوظ رہتی ہے

یوں تو ہو جاتی ہے ہر صف میں نماز سلیم
پر صف اول میں نماز پڑھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے

حضرتؒ کے معمولات حسنہ میں سے ایک معمول یہ بھی تھا کہ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ''تکبیر اولی،، کے ساتھ صف اول میں نماز پڑھے، صف اول میں نماز پڑھنے کا ایک فائدہ یہ لکھا ہے کہ صف اول شیطان کے اثر سے محفوظ رہتی ہے (کنز العمال ج۹ ص۶۲۲)

مطلب یہ ہے کہ صف اول میں شیطانی اثرات اور تصرفات کم ہوتے

ہیں، حضرت مولانا مفتی ارشاد احمد صاحب قاسمیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا اور فرشتوں کی دعاء رحمت کا اثر ہو یا آپ نے جو استغفار تین مرتبہ فرمایا اس کا اثر ہو (شمائل کبری جلد ہفتم ص ۲۶۴)

فضیلت

صف اول میں بھی حضرتؒ کی کوشس یہ رہتی کہ امام کے دائیں جانب جگہ ملے، یقیناً اس کوشش اور عمل کے پیچھے حضرت ابی جعفرؒ کا یہ ارشاد پیش نظر رہا ہوگا کہ صف کا دایاں رخ بائیں پر پچیس درجہ فضیلت رکھتا ہے۔

اہم بات

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے پاک اور اس کے فرشتے صف کی دائیں جانب والوں پر رحمت کی دعا کرتے ہیں (ابوداؤد)

متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے دائیں اور صف کے دائیں جانب کو فضیلت اور فوقیت حاصل ہے، مگر اس فضیلت کے لئے ایسا نہ کیا جائے کہ تمام لوگ دائیں جانب آجائیں اور بائیں جانب بالکل خالی یا کم لوگ رہیں، اس طرح تو صف کی ترتیب ہی بگڑ جائے گی، ایسی صورت میں بائیں جانب بھر کر صف کو برابر کرنے کی آپ نے تاکید فرمائی ہے۔

اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے مخبر صادق کی زبان صادق یوں گویا ہوتی

ہے کہ جو مسجد کی بائیں جانب کو پر کرے اس کے لئے دگنا ثواب ہوگا (ابن ماجہ)

امام کے قریب دانشمند اور سمجھدار لوگ کھڑے ہوں

دائیں جانب میں بھی حضرت کا معمول امام صاحب کے بالکل قریب میں کھڑے رہنے کا تھا، یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث شریف پر عمل کرتے تھے جس کو امام ترمذیؒ نے باب کا یہ عنوان قائم کرکے ذکر کیا ہے

"**باب ماجاء لیلینی اولا الاحلام والنهی**،، امام کے قریب دانشمند اور سمجھدار لوگ کھڑے ہوں

عن عبد الله عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لیلینی منکم اولوالاحلام والنهی، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم (ترمذی شریف حدیث نمبر ۲۲۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہئے کہ مجھ سے قریب کھڑے رہیں جو دانشمند اور سمجھدار ہیں پھر وہ لوگ جو اس وصف میں ان سے قریب ہیں پھر وہ جو ان سے قریب ہیں۔

امام نوویؒ اسکی حکمت بیان کرتے ہیں کہ اگر امام کو خلیفہ بنانے کی ضرورت پڑ جائے تو اہل علم کے بغل اور پیچھے ہونے کی وجہ سے بنا سکے (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۱)

قابل رشک عمل

حضرت کا صف اول میں نماز پڑھنے کا معمول ایک دو دن ایک دو ہفتہ،

یا ایک دو مہینہ کا نہیں بلکہ ہمیشہ کا معمول تھا ایسی استقامت پر ہزاروں کرامتیں قربان یہ کوئی آسان اور معمولی بات نہیں ہے۔

دو پروانے

عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی لله اربعین یوما فی جماعة یدرک التکبیرة الاولی کتب له برائتان برائة من النار وبراء ة من النفاق (ترمذی جلد ا ص ۳۲)

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن کی نمازیں اس طرح پڑھے کہ تکبیر اولی فوت نہ ہو تو اس کے لئے دو برائتیں لکھی جاتی ہیں ایک براءت دوزخ سے دوسری نفاق سے

علماء لکھتے ہیں کہ اگر چہ ''براءۃ من النار'' سے ''من النفاق،، خود بخود سمجھ میں آ سکتا تھا لیکن اس کو الگ سے اس لئے ذکر کیا کہ ''براءۃ من النار،، کا مظاہرہ تو آخرت میں ہوگا، مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ ایسے شخص کو دنیا میں بھی منافق نہ جانے بلکہ نفاق سے پاک تصور کریں (انوار السنن ص ۲۸۹)

تکبیر اولی کا اطلاق کب تک ہوتا ہے

حضرت کا یہ بھی اہتمام رہتا تھا کہ تکبیر اولی فوت نہ ہو اس میں بھی یہ اہتمام رہتا تھا کہ ''اشتراک فی التحریمہ،، حاصل ہو یعنی امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ان کی تکبیر تحریمہ ملی ہوئی ہو، ثنا پڑھنے کے وقت سے ہی امام کے ساتھ موجود ہو، ویسے

تکبیر اولی کے اطلاق میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) امام کے قراءت شروع کرنے سے پہلے تک

(۲) اشتراک فی التحریمہ

(۳) رکوع سے پہلے تک

(۴) رکعت اولی پانا

اکثر فقہاء نے آخری قول کی طرف میلان ظاہر کیا ہے جیسا کہ کفایت المفتی میں لکھا ہے۔

اہتمام

اس پر مجھے قطب الارشاد، بوحنیفائے وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا واقعہ یاد آیا، لکھا ہے کہ دیوبند کے جلسۂ دستار بندی میں عصر کی نماز کے وقت مخلوق کے ازدحام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث عجلت کے باوجود جس وقت آپ جماعت میں شریک ہوئے تو قراءت شروع ہو چکی تھی، سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا کہ آپ کے اداس چہرے پر اضمحلال برس رہا تھا اور آپ رنج کے ساتھ فرما رہے تھے کہ افسوس! بائیس برس بعد آج تکبیر اولی فوت ہوگئی (ارشادات گنگوہیؒ ص۳۰۔۳۱)

حضرت گنگوہیؒ امام کے ساتھ نماز میں شریک تو پہلی رکعت میں ہی ہو گئے تھے مگر امام صاحب قراءت شروع کر چکے تھے اس کو بھی تکبیر اولی کے فوت ہونے

سے تعبیر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ بڑے لوگ اس کو بھی تکبیر اولی کا فوت ہونا سمجھتے ہیں اور میرا گمان یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کا نظریہ بھی اس معاملہ میں شاید یہی تھا، حضرت مولانا کی بھی ہمیشہ یہی کوشش رہتی کہ بالکل شروع ہی سے امام کے ساتھ شریک ہوا اور امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ان کی بھی تکبیر تحریمہ ہو۔

ویسے یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ امام کی تکبیر تحریمہ سے پہلے کسی نے تکبیر تحریمہ کہہ دی تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ ایسے شخص کی تحریمہ صحیح نہیں ہوئی جب تحریمہ ہی صحیح نہیں ہوئی تو نماز بھی نہیں ہوگی، اس سلسلہ میں دوسری بات یہ بھی یاد رکھنی چاہئے کہ تکبیر تحریمہ ہر نمازی اس طرح کہے کہ وہ خود اس کو سنے اور اگر اس کو دل ہی دل میں کہا کہ نہ اپنی تحریمہ کی آواز خود سنی اور نہ ہونٹوں میں حرکت واقع ہوئی تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ یہ عمل نماز کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔

دو بزرگوں کا قابل رشک عمل

الغرض! مرحوم ہمیشہ صف اول میں نماز ادا کرتے تھے چاہے وہ نماز فجر ہو یا نماز عشاء، نماز ظہر ہو یا نماز جمعہ، اور موسم چاہے موسم سرما ہو یا موسم گرما اور موسم ربیع ہو یا موسم باراں، حضرت صف اول میں کھڑے نظر آتے تھے۔

مزاج شریعت

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تحریر فرماتے ہیں کہ صف اول میں نماز پڑھنے کی فضیلت بطور خاص اس لئے بیان

کی گئی کہ شریعت کا مزاج یہ ہے کہ خیرات کے اندر تقدم اختیار کرو، نیکیوں کے اندر سبقت کرو اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ

سابقوا الی مغفرۃ من ربکم ''اس سے اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ خیرات کے اندر تقدم اختیار کرو۔

صف اول میں نماز پڑھنے کا ثواب

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی الصف الاول او الصفوف الاول (ابن ماجہ)

اللہ تعالی اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت فرماتے ہیں۔

بخاری ومسلم نے حضرت ابو ہریرۃؓ کے واسطے سے تخریج کی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

لو یعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستھموا علیہ الستھموا

اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان دینے اور صف اول میں نماز پڑھنے میں کتنا اجر وثواب ہے تو ان کو اس کا موقعہ نہ ملے سوائے اس کے کہ وہ اس کے لئے قرعہ اندازی کریں۔

ہائے! تیری غفلت کی ہے کوئی انتہا بھی

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا (اقبال)

یہاں رک کر ہم سب خود پر تنقیدی نظر ڈالے کہ کیا آج ہمارا حال ایسا نہیں ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ مسجد میں اذان سے بھی پہلے اور کچھ لوگ جماعت سے پہلے آجاتے ہیں مگر ہائے افسوس! مسجد کے باہر یا مسجد کے صحن میں فضول باتوں میں یا موبائل میں مشغول رہتے ہیں اور یوں صف اول کی فضیلت سے محروم رہتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟

اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ ہمیں صف اول کی فضیلت اور ثواب کا اندازہ ہی نہیں ہے، دوسری وجہ جو سمجھ میں آتی ہے وہ ہے غفلت کہ ہم سستی اور غفلت کی بنا پر اس عمل سے محروم رہتے ہیں، تیسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صف اول میں کھڑا ہونا تو نیک لوگوں کا کام ہے، ہم تو گنہگار ہیں یہ محض شیطانی دھوکہ ہے اگر ہم نیک نہیں ہے تو نیک بننے کی کوشش کریں اور اس شیطانی وسوسہ سے خود کو بچائیں۔

صف اول میں نماز پڑھنے کی مزید ایک فضیلت

عن ابی امامة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله وملئکته یصلون علی الصف الاول قالوا یا رسول الله !وعلی الثانی قال

ان اللـه وملـئكته يصلون على الصف الاول،قالوا يا رسول الله! وعلى الثـانى قال ان الله وملئكته يصلون على الصف الاول قالوا يا رسول الله وعلى الثانى قال وعلى الثانى (مسند احمد)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے ،بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور دوسری کے لئے بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے ، پھر عرض کیا گیا اور دوسری صف کے لئے بھی، آپ نے پھر پہلی ہی بات دہرادی پھر آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اور دوسری صف کے لئے بھی، آپ نے تیسری مرتبہ بھی وہی پہلی والی بات دہرادی کہ اللہ تعالی رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں پہلی صف والوں کے لئے، ان لوگوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور دوسری صف کے لئے بھی، تو اس چوتھی دفعہ میں آپ نے فرمایا اور دوسری صف والوں کے لئے بھی۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کی خاص رحمت اور فرشتوں کی دعاء رحمت کے خصوصی مستحق اگلی صف والے ہی ہوتے ہیں، دوسری صف والے بھی اس سعادت میں اگرچہ شریک ہیں لیکن بہت پیچھے ہیں مطلب یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صف میں

بظاہر تو فاصلہ بہت ہی تھوڑا سا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالی کے نزدیک ان میں بہت فاصلہ ہے اس لئے اللہ تعالی کی رحمت کے طالب کو چاہئے کہ وہ حتی الوسع پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، جس کا ذریعہ یہی ہوسکتا ہے کہ مسجد میں اول وقت پہنچ جائے (معارف الحدیث جلد سوم ص ۲۰۹-۲۱۰)

اہم وصف

بندے نے راندیر جامعہ حسینیہ سے سند فراغ وفضیلت حاصل کی تو اس سال جو رمضان المبارک آیا اس میں میرے محسن ومشفق ومربی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کتھرادا استاذ الحدیث جامعۃ القراءت کفلیتہ نے میرے ذمہ دو ڈیوٹی لگائی

(۱) روزانہ مغرب کی نماز کے بعد محلّہ کی مسجد میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا رسالہ ''نماز سنت کے مطابق پڑھئے،، میں سے نماز کی ایک دو سنت پڑھ کر نمازیوں کو سنانا۔

(۲) رمضان المبارک میں روزانہ تراویح کے بعد مسجد عثمان میں بیس پچیس منٹ حاضرین کو دین کی باتیں سنانا، اس مجلس میں جو لوگ روزانہ پابندی سے میری طالب علمانہ معروضات سننے کے لئے تشریف فرما ہوتے ان میں سے ایک حضرت مولانا مرحوم بھی تھے، پورا رمضان المبارک اس مجلس میں پابندی سے شرکت فرماتے رہے حالانکہ حضرت مولانا دار العلوم دیوبند کے فاضل شیخ الاسلام حضرت

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے شاگرد رشید تھے اور دینی اعتبار سے ان کا ایک خاص مقام تھا وہ مجھ جیسے طفل مکتب کی معروضات سننے کے لئے مجلس کو رونق بخشتے رہے اور ایک روز کا بھی ناغہ نہیں کیا، واقعۃً یہ ان کی عالی ظرفی تھی، یہ بھی ایک اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ''من لم یرحم صغیرنا ،، پر عمل تھا، بندے پر ان کی شفقت کی یہ ایک ادنی مثال تھی۔

آہ! اب کہاں پائیں گے ایسی شفقتوں اور محبتوں کو۔

صدقۂ جاریہ

حضرت نے زندگی کا ایک طویل عرصہ مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں تدریسی خدمت میں گذار دیا، کئی سو طالبات نے آپ سے دینی تعلیم حاصل کیں، یہ سب آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔

خیر الناس کون؟

گذرے ہر دم مرا ارادت میں تری
گردن یہ جھکی رہے عبادت میں تری
یارب مجھے طول عمر دے تو لیکن
وہ عمر جو کام آئے طاعت میں تری (میر انیس)

صحابۂ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں مختلف سوالات کرتے تھے، ایک سوال آپ سے یہ بھی کیا گیا کہ ''من خیر الناس ،، جواب میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''من طال عمرہ وحسن عملہ''، جس کی عمر طویل ہو اور اس کے اعمال اچھے ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے

عن عبد الرحمن بن ابی بکرة عن ابیه ان رجلاً قال یا رسول الله!ای الناس خیر؟قال من طال عمره وحسن عمله قال فای الناس شر؟قال من طال عمره وساء عمله (ترمذی شریف)

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور بھلے کام کرتا ہو، عرض کیا تو سب سے برا آدمی کون ہے؟ فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور برے کام کرتا ہو۔

یہ مضمون بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ نیک آدمی کی عمر کا طویل ہونا ایک نعمت ہے کہ اس سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور یہی اسکے بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہے، حضرت نے بھی طویل عمر پائی آپ کی عمر مجموعی طور پر اسلامی اعتبار سے تقریباً پچاسی سال کے قریب بنتی ہے، آپ کی پیدائش یکم رجب المرجب ۱۳۵۲ھ کی ہے آپ نے عمر کے اس وقفہ کو ''حسن عملہ'' میں بسر فرمایا یہ حضرت پر اللہ تعالی کا خاص کرم تھا۔

اللہ تعالی کے خاص انعام کا ذکر

عن انس بن مالکؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما من معمر یعمر فی الاسلام اربعین سنة الا صرف الله عنه ثلاثة انواع من

البلاء،الجنون،والجذام،والبرص فاذا بلغ خمسين سنة لين الله علی الحساب،فاذا بلغ ستين رزقه الله الانابة اليه بما يحب،فاذا بلغ سبعين سنة احبه الله واحبه اهل السماء فاذا بلغ الثمانين قبل الله حسناتة وتجاوز عن سياتة فاذا بلغ تسعين غفر الله له ماتقدم من ذنبه وما تاخر وسمی اسير الله فی ارضه وشفع لاهل بيته (مسند احمد،مسند انس بن مالک،رقم الحدیث۱۳۲۷۹)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے بندے کی عمر چالیس سال کی ہوجاتی ہے تو میں اس کو تین قسم کے امراض سے محفوظ کر دیتا ہوں جنون ،جذام اور برص سے اور جب اسکی عمر پچاس سال ہوجاتی ہے تو اس پر حساب یسر (آسان حساب) کردوں گا، جب بندہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو میں توبہ اور رجوع الی اللہ اس کا محبوب بنا دیتا ہوں، جب کسی بندے کی عمر ستر سال کی ہوجائے تو فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں اور جب بندہ کی عمر اسی (۸۰) سال کی ہوجائے تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور گناہ نظر انداز کئے جاتے ہیں،اور جب کوئی بندہ نوے سال کا ہوجاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی زمین میں یہ اللہ تعالی کا قیدی ہے اس کے اگلے پچھلے سب گناہ بخشد یئے جاتے ہیں اور اس کے اہل میں اسکی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

غسل میت کی خدمت

حضرت کا ایک طویل عرصہ یہ بھی معمول رہا کہ گاؤں میں کسی آدمی کا انتقال ہوجاتا تو ایک دور تو وہ رہا ہے کہ حضرت مرحوم اور الحاج اسماعیل کتھراداؒ (بھائی میاں بھائی) میت کو غسل دیتے تھے، بعدہ جب حضرت مفتی رشید احمد صاحب کتھرادا دامت برکاتہم العالیہ اور کچھ دوسرے حضرات اس خدمت کو انجام دینے لگے تو حضرت نے اس عمل میں شرکت کم کردی تھی۔

میت کو غسل دینے کا ثواب

عن علیؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من غسل ميتا وكفنه وحنطه وحمله وصلى عليه ولم يفش عليه ما راى خرج من خطيئته مثل يوم ولدته امه (ابن ماجہ حدیث نمبر۱۴۶۲)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جو شخص میت کو غسل دے، کفن دے، خوشبو لگائے اور اس پر نماز پڑھے اور جو حال اس کا دیکھے اس کو فاش نہ کرے تو وہ گناہ سے اس طرح نکل جائے گا جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔

اہم تنبیہ

مردے کو غسل دینے کی جہاں یہ فضیلت ہے وہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اہم چیز کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اس کو بھی میت کو غسل دینے

والوں کو یاد رکھنا چاہئے اگر میت میں کوئی عیب ظاہر ہو جائے تو اس کو دوسروں پر ظاہر نہ کرے جیسے زندہ آدمی کی غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح مردے کی غیبت کرنا بھی حرام ہے اور مردے کی غیبت کرنا تو اشد حرام ہے (طحطاوی ص ۳۱۲)

ابن ماجہ شریف میں ہے

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليغسل موتاكم المامونون (حدیث نمبر ۱۴۶۱)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے مردوں کو وہ لوگ غسل دیں جو امین اور اعتباری ہو تا کہ مردے کے بدن کے عیب اور راز دوسرے سے ظاہر نہ کرے۔

بندے کے والد صاحب کا ۲۴ جون ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوا تھا اس وقت والد صاحب کے غسل میں جو لوگ شریک تھے ان میں حضرت مولانا مرحوم بھی تھے۔

بعض حضرات سے سنا کہ مرحوم اکثر و بیشتر خود ہی میت کے گھر تشریف لے جا کر غسل میت کی خدمت انجام دیتے تھے، کسی کے بلانے کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

قبولیت کی ایک علامت

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! ہم جو نماز پڑھتے ہیں تو اس کا پتہ کیسے چلے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری نماز کو قبول فرمالیا۔

حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر تم کو ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی توفیق ہو جائے تو یہ سمجھو کہ اللہ تعالی نے تمہارا اس سے پہلے والا فرض قبول کرلیا۔

حاجی صاحب کے جواب پر قیاس کرتے ہوئے ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ اگر کسی عالم دین کو عالم ہو جانے کے بعد اچھا خاصا وقت دین کی خدمت کرنے کی توفیق ملتی ہے تو یہ اس کے علم کے عنداللہ قبولیت کی علامت ہے، اس اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ان کے علم دین کے عنداللہ مقبول ہونے کی علامت ہے۔

ایسی مثالیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں

حضرت کے ذمہ زیادہ تر طالبات کی تدریس کی ذمہ داری رہی، اس میں بھی بطور خاص فقہی مسائل کی تعلیم کی ذمہ داری آپ کے سپرد رہی، آپ نے اس خدمت کو بحسن وخوبی انجام دیا، لاجپور میں کئی گھرانے ایسے بھی ہیں کہ حضرت نے ماں بیٹی دونوں کو پڑھایا، تدریس کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ جس دن سکول کی چھٹی ہوتی اس دن آپ طالبات کو اپنی طرف سے کبھی آدھا تو کبھی پون گھنٹہ اور کبھی کبھی تو ایک گھنٹہ زائد پڑھاتے تھے، اب ایسی مثالیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔

کڑوا سچ

حضرتؒ کثیر العیال تھے (بڑی فیملی تھی) اور تنخواہ معمولی، سننے میں آیا کہ آپ کا تدریسی دور بڑی تنگ حالی میں گذرا، ایک بات یہاں معذرت اور بڑے ادب کے ساتھ تحریر کرنا چاہوں گا کہ ہمارے دینی خدمات کے جو اہم شعبے ہیں مثلاً

مسجد کی امامت وخطابت، مسجد میں مؤذنی کی خدمت، مکتب کی مدرسی ہو یا دارالعلوم وجامعات میں کسی بھی شعبہ کی خدمت سب جگہ ایک چیز قدر مشترک نظر آتی ہے الا ماشاءاللہ وہ ہے خدام کی تنخواہ کا معیار، تنخواہ کا معیار بہت ہی کم ہے اس میں بال بچوں کے ساتھ گذارہ بڑی ہی مشکل سے ہو پاتا ہے اور بعض مرتبہ مشکل ہی نہیں بلکہ بہت ہی مشکل اور کئی مرتبہ تو ناممکن ہوتا ہے، پھر ایسی صورت میں بیچارے خدام کبھی متولی ومہتمم تو کبھی مصلی حضرات کے اور کبھی کسی کے مقروض ہوجاتے ہیں، چونکہ اس تنخواہ میں ضروریات جو پوری نہیں ہوتیں، مسجد کے متولی، مکتب کے ذمہ داران، اور دارالعلوم کے مہتمم صاحبان کی خدمت میں دست بستہ عرض کروں گا کہ ان کی بھی فیملی ہیں آپ خود بھی اپنا گھر چلاتے ہو، آپ کو بھی معلوم ہے کہ اس مہنگائی کے دور میں گھر کا ماہانہ خرچ پورا کرنے کے لئے کتنے پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے، باوجود اس کے آپ اس طرف دھیان نہیں دیتے (تجاہل عارفانہ برتتے ہیں) بلکہ کسی کے متوجہ کرنے پر بھی اس پر دھیان نہ دینے کی شاید قسم کھا رکھی ہے گویا اس کو شجر ممنوعہ سمجھ رکھا ہے بلکہ بعض مرتبہ تو متوجہ کرنے والے پر ناراض ہوجاتے ہیں، مسجد، مدرسہ کے پاس پیسہ نہ ہو اور کم تنخواہ دے تو ایک درجہ میں اس کو سمجھا جاسکتا ہے مگر بات ایسی ہے نہیں، چاہے تو تحقیق کر لیجئے، ہاں! استثناء ہر معاملے میں ہوتا ہے وہ یہاں بھی ممکن ہے، بعض مساجد کے پاس تو ہمارے بزرگوں کی وقف کردہ اچھی خاصی زمینیں ہیں پھر بھی تنخواہ کا معیار بہت ہی کم ہے یہی حال برطانیہ اور بعض دیگر

ترقی یافتہ کہے جانے والے ممالک کا بھی ہے کہ ان کے پاس مسجد کی پراپرٹی موجود ہے بینک میں اچھی خاصی سیونگ ہے مگر وہاں بھی تنخواہ کا معیار دیکھ کر افسوس ہوتا ہے ’’فتاوی رحیمیہ،، میں اس سلسلہ کا ایک استفتاء موجود ہے اس کو من وعن نقل کرتا ہوں۔

سوال۔ ہماری مسجد کے امام صاحب ماشاءاللہ متقی صالح ہیں، برسوں سے نہایت خاموشی کے ساتھ امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جمعہ کے دن خطبہ و بیان بھی ان کے ذمہ ہے، صاحب عیال بھی ہیں (یعنی بال بچے بھی ہیں) مسجد کی آمدنی بہت ہے مگر مسجد کے متولی برسوں سے جو تنخواہ ہے وہی اب بھی دے رہے ہیں، اضافہ نہیں کرتے، مقتدی متولیوں کو توجہ دلاتے ہیں مگر وہ خیال نہیں کرتے، امام صاحب تو کچھ مطالبہ نہیں کرتے مگر ہم ان کی حالت سے باخبر ہیں اقتصادی اعتبار سے (مالی اعتبار سے) پریشان رہتے ہیں، تو متولیوں کا یہ عمل کیسا ہے؟

جواب۔ صورت مسؤلہ میں جب مسجد کی آمدنی کافی ہے اور امام وخطیب صاحب ماشاءاللہ مدت سے امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جمعہ کے دن بیان بھی کرتے ہیں، نیک اور متقی بھی ہیں اور صاحب عیال بھی ہیں، تو مسجد کے متولیوں پر لازم ہے کہ ان کی تنخواہ میں مہنگائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اضافہ کریں، مسجد کی آمدنی ہونے کے باوجود امام صاحب کے گھریلو اخراجات کے

مطابق تنخواہ نہ دینا ظلم ہے (فتاوی رحیمیہ جلد پنجم ص ۲۰۵۔۲۰۶)

انتظامیہ امام وموذن کی تنخواہ کیوں نہیں بڑھاتی ؟

مسجد کی انتظامیہ امام وموذن کی تنخواہ کیوں نہیں بڑھاتی یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کو ان کی ضروریات پوری ہو جائیں اتنی تنخواہ بھی عموماً نہیں دیتی اس کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں بندہ کی ناقص رائے میں اسکی دو وجوہات ہیں۔

(۱) امامت و خطابت اور مؤذن و مدرس کا جو درجہ اور فضیلت قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے اس سے جان بوجھ کر آنکھیں مند لینا ہے اگر ذمہ دار ان ان کے مقام ومرتبہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھتے تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

(۲) ذمہ داروں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ امام ومؤذن اور مدرسین ان کے آگے اپنی مالی مجبوریوں کا رونا روتے رہے، اور یہ ان کو قرض دے کر یا زکوۃ کی رقم دے کر ہمیشہ کے لئے اپنی مٹھی اور قبضہ میں کر لے، اور کئی جگہ پر تو زکوۃ کی رقم سے جو امداد کی جاتی ہے اس کو اپنا احسان سمجھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً احسان جتلاتے بھی رہتے ہیں حالانکہ زکوۃ ایک عبادت ہے اور صاحب نصاب شخص کو کوئی صحیح مستحق مل جائے تو ان کو ضرورت مند کا شکر گذار ہونا چاہئے، مگر یہاں ان کی چاہت اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ یہ ہماری ہاں میں ہاں ملاتے رہے، اور اس سے بھی عجیب بات یہ کہ کبھی تو یہ زکوۃ کی رقم ان کی خود کی بھی نہیں ہوتی ہے کسی اور صاحب کی ہوتی

ہے، شرم آنی چاہئے کہ زکوۃ جس کو حدیث پاک میں مال اور ہاتھ کا میل قرار دیا گیا ہے تم اس شخص کو دے اور کھلا رہے ہو جس کے پیچھے تم روزانہ اپنا اہم دینی فریضہ یعنی نماز پنج گانہ ادا کرتے ہو یہ بات تمہارا دل (حساس اور غیر تمند ہونا شرط ہے) کیسے گوارا کر لیتا ہے، حالانکہ مسجد کے پاس پیسہ ہے اور خوب پیسہ ہے اور اسکی جو ضروریات زندگی اور اخراجات ہیں اتنا بوجھ مسجد کا اکاؤنٹ بڑے آرام سے برداشت کر سکتا ہے مگر دینا نہیں ہے، ہاں! یہی رقم بلا ضرورت مسجد کے تعمیری کام میں خرچ کرتے رہیں گے، بات یہ بھی ہے کہ جس امام کو آپ زکوۃ کی رقم دوگے پھر تمہاری نگاہ میں اس کا وہ مقام نہیں رہے گا جو ہونا چاہئے نتیجۃً اسکی ذات سے جو دینی فائدہ ہونا چاہئے وہ چیز عام طور پر نظر نہیں آتی، مگر افسوس! کبھی اس پر غور وفکر اور سوچنے کی بات تو دور رہی شاید ابھی تک نیت بھی نہیں کی ہے۔

ہاتھی کے رونے کی وجہ

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ ایک لطیفہ سناتے تھے کہ ایک بادشاہ تھا اس نے اعلان کیا کہ جو ہمارے ہاتھی کو رلا دے اس کو ہم بڑا انعام دیں گے، بڑے بڑے مصیبت زدہ آئے اور ہاتھی کے کان میں اپنی اپنی مصیبتیں سنائی مگر ہاتھی بالکل نہیں رویا، ایک مولوی صاحب آئے اور ہاتھی کے پاس جا کر نہ جانے اس کے کان میں کیا کہا کہ جیسے ہی مولوی صاحب کی بات سنی تو ہاتھی زار و قطار رونے لگا، لوگوں کو تعجب ہوا کہ آخر مولوی صاحب نے ایسا کیا کہدیا کہ ہاتھی

رونے لگا، مولوی صاحب سے لوگوں نے پوچھا کہ آخر آپ نے اس کو کہا کیا کہ وہ رونے لگا؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے صرف اسے اپنی تنخواہ بتائی کہ اتنی ہے، مولوی صاحب کی تنخواہ سن کر ہاتھی درد سے چیخ اٹھا، مگر ہمارے ٹرسٹی اور متولی (ومہتمم) کو کوئی درد نہیں ہے (شرم ان کو مگر نہیں آتی) ہے تو یہ ایک لطیفہ مگر اس میں حقیقت حال کی بالکل صحیح عکاسی کی گئی ہے۔

دینی وملی سرگرمیاں مدارس ومکاتب کی رہین منت ہیں

حضرت مولانا عتیق احمد بستوی دامت برکاتہم ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ دینی مدارس ومکاتب، دینی وایمانی زندگی کی شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں، دینی و ایمانی چہل پہل، دینی وملی سرگرمیاں انہی مدارس ومکاتب کی رہین منت ہیں، تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، تبلیغ ودعوت، تزکیہ واحسان، تنظیم وتحریک غرضیکہ ہر دینی و ملی کام کے لئے افراد کار انہیں مدارس اسلامیہ سے فراہم ہورہے ہیں اور تمام دینی و ملی کاموں کی سیرابی اور شادابی میں ان آزاد دینی مدارس کا بنیادی رول ہے۔

ایک مشترک خرابی

ان مدارس ومکاتب کی غیر معمولی اہمیت وافادیت کے پیش نظر بے حد ضروری ہے کہ ان مدارس ومکاتب کو ایسی خرابیوں سے محفوظ رکھا جائے جن سے ان میں زوال واضمحلال پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اور ان کی مقصدیت اور افادیت مجروح ہوتی ہو، ان میں ایک خرابی جو تقریباً کم وبیش تمام مدارس (ومکاتب) میں

مشترک ہے، وہ اساتذہ وملازمین کی تنخواہوں کی حد درجہ کمی ہے، تنخواہیں اتنی تو ہونی چاہئے جس میں کفایت کے ساتھ متوسط گذران ہو سکے، تیزی سے بڑھتی ہوئی گرانی (مہنگائی) کے زمانہ میں تنخواہوں میں ٹھہراؤ یا برائے نام اضافہ (بڑھوتری) بہت پریشان کن اور تکلیف دہ ہے، اساتذہ وملازمین عموماً اتنی تنگی (مالی مشکلات) میں رہتے ہیں کہ یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ خدمات انجام نہیں دے پاتے، مجبوراً ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتے ہیں یا معاشی تنگی سے گھٹ گھٹ کر رہتے ہیں۔

کم تنخواہوں کا نقصان

ایک اور بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ مدارس کی کم تنخواہوں کو دیکھ کر اکثر ذہین و باصلاحیت فضلاء مدارس سے وابستہ ہی نہیں ہوتے اور حصول معاش کی دوسری راہیں تلاش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

جب عالم ہی عالم کی عزت نہیں کرے گا تو قوم خاک کرے گی

کہا جاتا ہے کہ علماء کی تنخواہ جو بہت کم ہوتی ہے اس کی وجہ عوام ہے، کیونکہ وہی تنخواہ دیتی ہے، جی ہاں! اس بات سے میں بھی ایک حد تک اتفاق رکھتا ہوں لیکن اس سے مکمل اتفاق نہیں رکھتا کہ اس کی وجہ صرف اور صرف عوام ہی ہے، مان لیا کہ اکثر مساجد پر تو عوام کا قبضہ ہے اس لئے امام کی تنخواہ کم ہے لیکن اکثر مدارس پر کس کا قبضہ ہے؟ مدرسہ میں بھی وہی چھ ہزار، سات ہزار اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار بلکہ بعض جگہ تو یہ بھی قانون ہے کہ آدھی تنخواہ مدرسہ دے گا اور آدھی تنخواہ چندہ

کر کے جمع کیجیے، اس لئے تنخواہ کم ہونے کی وجہ صرف عوام نہیں بلکہ مولوی بشکل مہتمم بھی ہے، مہتمم صاحب کی تنخواہ تو اتنی ہوتی ہے کہ ان کے گھر پر چار چکے والی گاڑی لگی ہے اور ان کی اولاد اچھی اچھی موٹر سائیکل پر گھوم رہی ہوتی ہے لیکن بات جب اسی مدرسہ کے اساتذہ کے تنخواہ کی آجائے تو پھر دیکھیے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے واقعات اس انداز میں بیان کئے جائیں گے کہ معلوم ہوگا کہ آج کوئی آسمانی فرشتہ زمین پر نمودار ہوا ہے، کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ شاید حضرت تھانوی ہوتے تو آج آں جناب سے بیعت ہوجاتے، جب بات تنخواہ کی آتی ہے تو ایک عذر یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مہنگائی بہت زیادہ ہے، جی ہاں! بات بالکل درست ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اس مہنگائی کے دور میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ مدرسے میں کھانا تین وقت کے بجائے دو وقت یا دو وقت کے بجائے ایک ہی وقت بنا ہو کہ مہنگائی زیادہ ہے اس لئے پیسے کی قلت ہوگئی ہے (میں اکثریت کی بات کر رہا ہوں) پھر کیا وجہ ہے کہ مہنگائی کی ساری مار اساتذہ ہی کو جھیلنا پڑتا ہے، کبھی یہ ذمہ داران یہ کیوں نہیں سوچتے کہ مہنگائی کے باوجود جب سارا کام چل رہا ہے تو ان بیچارے اساتذۂ کرام کی تنخواہ بھی بڑھائی جاسکتی ہے، کبھی یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہماری ہی طرح ان کے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہوں گے، بیوی اور بوڑھے والدین ہوں گے جن کی کچھ خواہشیں ہوں گی اور وہ اپنی اولاد سے کوئی تمنا اور آرزو لئے بیٹھے ہوں گے۔

برٹش نو جوان علماء مساجد سے دور کیوں؟

خدام دین کی کم تنخواہ کا مسئلہ universal ہے، دنیا کا کوئی ملک ہو ہر جگہ کا یہی حال ہے، چاہے وہ ایشیا ہو یا افریقہ، یورپ ہو یا امریکہ، برطانیہ کے ایک عالم دین امام عطاء اللہ خان تحریر فرماتے ہیں کہ (ہمارا حال یہ ہے کہ) قرآن کریم پڑھانے والے قاری صاحب کو ایک گھنٹے کے سات پاؤنڈ اور گاڑی سکھانے والے ماسٹر کو فی گھنٹہ بیس پاؤنڈ دیئے جاتے ہیں، اور اس پر یہ عجیب منطق پیش کی جاتی ہے کہ قاری صاحب کو اللہ تعالی کے لئے پڑھانا چاہئے، بھائی! وہ اللہ تعالی ہی کے لئے پڑھا رہا ہے ورنہ برطانیہ جیسے ملک میں قاری صاحب آپ کی طرح دنیاوی کام کر کے زیادہ کما سکتا ہے، لیکن آپ قاری صاحب والا کام نہیں کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نوے فیصد برٹش بورن نو جوان علماء فراغت کے بعد مساجد میں کام کرنے کو ترجیح نہیں دیتے ہیں، ایک نو جوان عالم دین کو مسجد والوں نے پہلے ہفتے ۱۵۰ پاؤنڈ دیئے اور اس پر رعب جمانے لگے جس پر نو جوان عالم دین نے انہیں چند بلز دکھا کر کہا حضور! آپ کی دی گئی تنخواہ سے زیادہ تو میرے موبائل اور پیٹرول وغیرہ کا خرچہ ہو جاتا ہے۔

نو جوان علماء ہماری کمیونیٹی کا قیمتی سرمایہ اور کریم cream ہیں ان سے ہمارے بچے اور نو جوان نسل کو بے انتہا فائدہ پہنچ سکتا ہے، یہ علماء یہاں کے بچوں اور نو جوان نسل کی نفسیات سے پوری طرح آگاہ ہیں اور ان کی زبان میں انہیں بہتر

طور پر سمجھا سکتے ہیں، جبکہ پاکستان وغیرہ ممالک سے آئے ہوئے علماء کا یہاں کے بزرگوں اور بڑی عمر کے افراد سے تو تعلق زیادہ ہوتا ہے لیکن لینگو یج بیریئر کی وجہ سے بچے ان سے زیادہ مانوس نہیں ہو پاتے، پاکستانی قاری صاحب تو شاید اپنی مجبوریوں کی وجہ سے سات پاؤنڈ فی گھنٹہ پر کچھ عرصہ کام کر سکتے ہیں لیکن برٹش بورن نوجوان علماء یہ نہیں کرتے ہیں، گذشتہ کئی سالوں سے میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ نوجوان علماء فراغت کے بعد مختلف کورسز یا یونیورسٹیز وغیرہ سے ڈگری لیکر دنیاوی اداروں میں کسی اچھی پوسٹ پر چلے جاتے ہیں لیکن کمیونٹی یا مقامی مساجد میں کام کرنا پسند نہیں کرتے، ہمارے بزرگ ان کو آئے دن بلیم کرتے ہیں کہ یہ لوگ دین کی خدمت نہیں کرتے البتہ خود یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ سات پاؤنڈ دے کر ہم خود کون سی دین کی خدمت کر رہے ہیں؟

واسطہ

دنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے
(نظیر اکبرآبادی)

آپ نے گاؤں میں بہت سے لڑکے لڑکیوں کے نکاح کروائے، اسکی صورت یہ ہوتی تھی کہ لڑکی کے گھر والے حضرت مولانا مرحوم کے پاس آتے اور کہتے کہ فلاں صاحب کے لڑکے کے ساتھ ہم ہماری لڑکی کا رشتہ طے کرنا چاہتے ہیں

آپ پیغام لے کر جائے، اور کبھی لڑکے کے گھر والے ایسا ہی تقاضہ کرتے، اس طرح آپ نے بہت سے نکاح کروائے۔

علاج یرقان

چار دن ہے زندگی ہنسی خوشی میں کاٹ لے
مت کسی کا دل دکھا درد سب کے بانٹ لے
کچھ نہیں ساتھ ہے جانا اک نیکی کے سوا
کر بھلا ہوگا بھلا، گانٹھ میں یہ باندھ لے

رفیق مکرم حافظ محمد قاسم بلبلیا نے بتایا کہ حضرت مولانا جب کسی کو یرقان جس کو ہماری طرف کمرا کہا جاتا ہے ہوجاتا یا کمری ہوجاتی کہتے ہیں کہ کمری کمرے سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے کمری یعنی بیماری ڈبل ہوجاتی ہے، جب کوئی بیمار حضرت کے پاس آتا تو حضرت اس سے گائے کا دودھ منگواتے تھے اور گائے کے دودھ پر کچھ پڑھ کر دم کرتے تھے جس کو ہماری طرف ''مترنا،، کہتے ہیں اسکی برکت سے بفضل الٰہی مریض شفایاب ہوجاتا تھا، نیز کسی کو ٹائیفورڈ کا مرض ہوجاتا تو اس بیماری کا علاج بھی حضرت کرتے تھے اللہ تعالی اسکی برکت سے مریض کو شفا کی دولت سے مالامال کردیتے تھے۔

زینت

لاجپور میں جب کسی عالم دین کا بیان طے پاتا تھا تو حضرت مولانا مرحوم

ایسے موقع پر اسٹیج کی زینت ہوا کرتے تھے۔

ایک ایسی خوبی جو کم دیکھنے میں آتی ہے

مقرر کا بیان خوب توجہ سے سنتے تھے حالانکہ آپ خود ذی استعداد اور باصلاحیت عالم تھے، چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ علماء برادری میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے معاصر اور کم عمر عالم کے بیان میں شرکت کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، الا ماشاء اللہ، اور اگر کبھی کسی کے بیان میں بدرجہ مجبوری ان کو بیٹھنا پڑ جائے تو بیان سننے کا انداز ویسا نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے، بعضوں کو تو میں نے خود عجیب وغریب حرکات کرتے دیکھا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ کسی کا بیان چل رہا ہوتا اور حضرت کا اس جگہ سے گذر ہوتا بیان کرنے والا حضرت کا شاگرد ہی کیوں نہ ہوتا حضرت اس میں شرکت فرماتے اور بڑے غور سے اس کی بات سنتے تھے، کسی نے عرض کیا کہ حضرت! آپ تو خود بڑے عالم ہیں پھر آپ کی اس مجلس میں شرکت؟ تو فرمایا کہ دینی علوم کی مثال سمندر کی سی ہے اس میں جب بھی شرکت کرو قیمتی موتی اور جواہرات ہاتھ لگتے ہیں۔

سفید لباس زیب تن کرنے کی عادت تھی

رنگینی لباس سے اہل فنا کو کیا
ہے ابتدائے دہر سے رخت کفن سفید

مرحوم ہمیشہ سفید لباس زیب تن کرتے تھے، میں نے کبھی ان کو سفید لباس کے علاوہ کوئی اور رنگ کا لباس زیب تن کرتے نہیں دیکھا، میرے ناقص خیال میں شاید یہ اس لئے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ

عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم علیکم بالبیاض من الثیاب لیلبسها احیاء کم و کفنوا فیها موتاکم فانها من خیر ثیابکم

سفید لباس اختیار کرو کہ یہ بہتر لباس میں سے ہے سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہئے اور سفید کپڑوں میں ہی مردوں کو دفن کرنا چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سفید کپڑا پہننا پسند تھا

بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ کے بدن پر سفید کپڑے تھے۔

علماء کرام و صلحاء امت کا معمول بھی سفید لباس استعمال کرنے کا رہا ہے۔

سفید رنگ کے کپڑے کا پہننا صرف زندگی ہی میں نہیں بلکہ انتقال کے بعد کفن کے لئے بھی سفید رنگ کو پسند کیا گیا ہے۔

ترمذی شریف میں ہے

وقال احمد و اسحاق احب الثیاب الینا ان یکفن فیها البیاض

احمد و اسحاق فرماتے ہیں ہمیں کفن کے کپڑوں میں زیادہ پسند سفید کپڑا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سفید کپڑوں میں ہی کفن دیا گیا تھا۔

ترمذی شریف میں ہے

عن عائشةؓ قالت کفن النبی صلی الله علیه وسلم فی ثلاثة ابواب بیض یمانیة

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دیا گیا تین یمنی سفید چادروں میں۔

سفید لباس میں مسلمان میت کو کفنانے کی حکمت

بعض حضرات نے مسلمان مردے کو سفید لباس میں کفنانے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ جب بندہ اپنے رب سے ملاقات کرے تو گناہوں سے پاک ہو، سفید رنگ کی طرح صاف ستھرا ہو اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو جیسا کہ سفید لباس کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے (شرح شمائل ترمذی جلد اول ص ۳۶۸)

احرام کی چادر سفید ہو تو اچھا ہے اور اسکی ایک حکمت

نیز مُحرم کے لئے بھی یہ پسند کیا گیا کہ اس کے بدن پر جو چادر ہو وہ سفید ہو ظاہر ہے وہ چادر بغیر سلی ہوئی ہی ہوگی، اس کی ایک حکمت علماء نے یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ حاجی نے جیسے سلا ہوا لباس اتار کر دو سفید چادروں کی صورت

میں صاف ستھرا نیا لباس پہنا ہے جس پر اور تو اور سلائی کا بھی کوئی دھبہ نہیں، یونہی وہ گناہوں کا لباس اتار کر نیکی اور تقوی کا لباس پہن لے تا کہ اسکی روح اور قلب پر بھی گناہوں کا کوئی داغ اور دھبہ نہ ہو (تسھیل البیان جلد اص ۲۳۲ بتغیر)

الغرض! مولانا مرحوم ہمیشہ سفید رنگ کا لباس زیب تن کرتے تھے، آپ کے خوبصورت بدن پر سفید لباس ''نور علی نور،، کا منظر پیش کرتا تھا، حضرت نورانی اخلاق کے حامل تھے انتقال بھی نورانی دن یعنی جمعہ کے دن ہوا، تو چہرہ بھی نورانی، نورانی رنگ کا ہی کفن بھی دیا گیا، ان شاء اللہ آخرت میں معیت بھی نورانی حضرات کی ہی نصیب ہوگی، ''فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ،، کا مژدہ سنایا جائے گا۔

تعزیتی تقریر

سابق مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے انتقال پر لاجپور میں جو تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تھا اس میں کی گئی تقریر

نحمدو نصلی علی رسوله الکریم . امابعد

افسوس! کہ ہم نے حضرت مفتی صاحبؒ کی قدر نہیں کی

محترم حضرات! میں آپ سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں، سب سے پہلی بات تو یہ کہ لاجپور کے لئے یہ خوش قسمتی کی بات تھی کہ حضرت مفتی صاحبؒ کا تعلق

لاجپور سے تھا، حضرت مفتی صاحبؒ نے بھی یہ تعلق آخری سانس تک باقی رکھا، حضرتؒ کو لاجپور سے بڑی محبت تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو علم وعمل اور صلاح وتقویٰ سے نوازا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کی محبت کو مسلمانوں کے دلوں میں ڈالدیا تھا جو ہمارے لئے باعث سعادت تھا، لیکن افسوس! کہ ہم سے ان کی قدر نہ ہوسکی۔

جوہری ہی جوہر کو پہچانتا ہے

حضرتؒ نے بچپن کا کچھ عرصہ لاجپور میں گذارا، لیکن پھر ہماری بدقسمتی تھی کہ کچھ حالات کی وجہ سے حضرت کو لاجپور چھوڑ کر نوساری جانا پڑا، نوساری میں حضرت نے کچھ عرصہ دینی تعلیم حاصل کی، بعدہ نوساری شہر کی جامع مسجد میں منصبِ امامت پر فائز ہوئے، وہاں سے راندیر تشریف لے گئے اور وہاں مزید علم دین حاصل کیا اور جامعہ حسینیہ راندیر سے فاضل ہونے کے بعد وہیں مقیم ہوگئے، راندیر والوں نے حضرتؒ کی خوب قدر کی، کسی نے صحیح کہا ہے کہ ''قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری،، گوہر اور جوہر کی قدر یا تو بادشاہ جانتا ہے یا پھر جوہری آپ کے راندیر آنے کا سبب یہ ہوا کہ راندیر کے بزرگوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کو دیکھ کر محسوس کیا کہ یہ لڑکا بڑا ہی ہونہار ہے، حضرت مولانا محمد حسین صاحب حضرتؒ کو نوساری سے راندی لے آئے اور جامعہ حسینیہ میں درجۂ عالمیت میں داخل کردیا، مولانا محمد حسین صاحبؒ نے جو چیز اور جو کمال حضرت مفتی صاحبؒ میں دیکھا تھا وہ ظاہر ہوا

اور حضرت مفتیؒ گجرات ہی نہیں بلکہ مفتیٔ ہند سے مشہور ہوئے ،حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ ہند میں ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند بھی مقبول ہوئے۔

فتاویٰ رحیمیہ ہر مفتی کی ضرورت

بہت سی مرتبہ کوئی مسئلہ اچانک پیش آجاتا ہے تو مفتی حضرات بھی فتاویٰ رحیمیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، میرا پاکستان جانا ہوا وہاں ایک مسجد ہے مسجد بلال وہاں کے امام صاحب جو کہ بنگلہ دیش کے تھے دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی میں افتاء کی مشق کر رہے تھے فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کے پاس، وہ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ آج ہمیں دارالافتاء میں ایک مسئلہ کی وضاحت مطلوب تھی، ہم لوگوں نے حضرت مفتی رشید احمد صاحب کے ساتھ ملکر فتاویٰ کی بہت سی کتابیں دیکھ لیں لیکن کہیں اس کا حل نہیں ملا، بعد میں ہم نے فتاوی رحیمیہ دیکھا تو ہمارا مسئلہ حل ہوگیا، مفتی رشید احمد صاحب جو خود اتنے بڑے عالم اور فقیہ ہیں (تھے) کہ خود ان کے فتاویٰ بنام ''احسن الفتاویٰ'' نو جلدوں میں چھپ چکے ہیں اور حضراتِ علماء کرام کے درمیان مقبول بھی ہیں باوجود اس کے انہیں بھی فتاوی رحیمیہ سے استفادہ کی ضرورت پیش آتی تھی۔

مفتی صاحب کا فتویٰ سامنے رکھو

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جہاں بھی جاؤ مفتی صاحب کا فتویٰ سامنے رکھو، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کسی مسئلہ

میں حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ دیکھتے تو اطمینان کا اظہار فرماتے تھے۔

قدرِ نعمت بعدِ زوال

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑے علوم سے نوازا تھا، حضرت نے اپنے علوم سے لوگوں کو خوب فائدہ پہنچایا اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے دین کا بڑا کام لیا، لیکن آج ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خزانہ ابلا تو لاجپور کی زمین سے وہ پل کر بڑے ہوئے نوساری میں اور وہ خزانہ مدفون ہوا راندیر کی سرزمین میں، راندیر والے خوش قسمت ہے وہ ہر وقت وہاں موجود ہیں جہاں حضرت مدفون ہیں، میرے بھائیو! کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ''قدرِ نعمت بعدِ زوال''، نعمت کی قدر اس کے زوال کے بعد ہوتی ہے، لیکن اب بھی موقع ہے کہ ہم حضرت مفتی صاحبؒ کی قبر پر جایا کریں، ان کیلئے دعاءِ مغفرت کرتے رہیں، ان کے فتاویٰ کو پڑھا کریں انہیں ایصالِ ثواب کرتے رہیں۔

جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتا ہے

کسی نے خوب کہا ہے کہ جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتا ہے، یہ زمانہ ایسا ہی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ کی پیدائش لاجپور والوں کیلئے نقارہ یعنی خوشی کا موقع تھا اور آج ان کیلئے ماتم کدہ ہے، جیسے ہی حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال کی خبر ملی تو ہمیں ہوش نہیں رہا، ہمیں فکر ہوئی کہ حضرت کو غسل دیا گیا ہوگا یا نہیں، ہم نے عزیزم مفتی رشید احمد سلمہ کو بلایا اور راندیر پہنچے، ہم پر ایک بجلی سی گری

تھی ،ہمیں ہوش نہیں رہا ہم فکر مند تھے کہ پتہ نہیں حضرت مفتی صاحبؒ کا کیا حال ہوگا ؟ ہم جب وہاں پہنچے تو تقریباً چار پانچ ہزار آدمی تو پہلے سے حاضر تھے،اس سے آپ حضرت مفتی صاحبؒ کی عظمت کا اندازہ کریں کہ لوگوں کے دلوں میں کتنی قدر تھی ان کی موت کی خبر بجلی کی طرح پہنچی اور لوگ جلدی جلدی جوق در جوق پہنچے، لیکن افسوس کہ جلد اطلاع نہ ملنے کی وجہ سے ہم جلدی نہ پہنچ سکے ، ہم ابھی بھی حضرت مفتی صاحبؒ کی قدر کو پہچانے ،ان کو پڑھ کر بخشتے رہیں، ہمارے لئے بڑی خوش قسمتی ہوتی اگر حضرت مفتی صاحبؒ کی قبر لاجپور میں بنتی ،ان کا مزار لاجپور میں بنتا تا کہ ان کی روح سے ہم فائدہ اٹھاتے ،مگر ہماری بدقسمتی کہ ہم لوگوں سے یہ کام بھی نہ ہوسکا۔

حضرات ! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ لوگ اسے برا نہ مانیں،ہم اپنے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ ہمارا تعلق وابستہ رکھے،حضرت مفتی صاحب ’’حب الوطن من الایمان‘‘ کو پکڑے ہوئے تھے کہ بچپن لاجپور میں گذارا باقی زندگی کا بیشتر حصہ راندیر میں گذرا مدفون بھی راندیر میں ہوئے ، پھر بھی گاؤں سے محبت کو ترک نہیں کیا،آپ گاؤں والوں سے بھی بڑی محبت رکھتے تھے،آپ ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ ’’لاجپوری‘‘ ہی لکھتے رہے یہاں تک کہ پوری دنیا میں حضرت مفتی صاحبؒ کے علم کا ڈنکا لاجپور کے نام سے ہی بجا، لاجپور سے وہ نہیں پہچانے گئے بلکہ لاجپور ان کی وجہ سے پہچانا گیا، لاجپور مشہور ہی

ہوا حضرت مفتی صاحبؒ کی وجہ سے، ان چند گذارشات پر میں اپنی معروضات ختم کرتا ہوں، اب کچھ اور بولنے کی مجھ میں سکت بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے، آمین۔

یوں قلب میں انوار صفا پیدا کر
آنکھوں میں محبت کی ضیا پیدا کر
ہوجائے گا ہر فرد بشر تجھ سے قریب
کردار میں وہ حسن ادا پیدا کر
آنکھ سے دور سہی دل سے کہاں جائے گا
جانے والے تو ہمیں یاد بہت آئے گا
ہم بھولے ہیں نہ تمیں بھول سکیں گے
تو یاد رہے گا ہمیں ہاں یاد رہے گا

(۵)

الحاج اسماعیل بن حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب کتھرادالاجپوریؒ

جس طرح پھول کا تعارف اس کی خوشبو ہوتی ہے
اسی طرح انسان کا تعارف اس کا کردار ہوتا ہے

نام سے زیادہ عرفی نام سے مشہور تھے

اسم گرامی اسماعیل بن حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب کٹھرادا تھا، عرفی نام ''بھائی میاں بھائی،، تھا۔

عاشق قرآن

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

(علامہ اقبالؒ)

سامان تجارت مرا ایمان نہیں ہے
ہر در پہ جھکے سر یہ مری شان نہیں ہے
ہر لفظ کو سینے میں بسالو تو بنے بات
طاقوں میں سجانے کو تو یہ قرآن نہیں ہے

(ماجد دیوبندی)

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا ہے ''**ان ترزقنی القرآن العظیم وتخلطہ بلحمی وشعری وجسدی** ،، ترجمہ۔ اے اللہ! مجھے قرآن کریم عطا فرما اور اس کو میرے گوشت پوست میں، میرے روئیں روئیں میں رچا دے اور میرے جسم میں رچا دے (دلائل الخیرات)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے تھے کہ قرآن کریم جس میں

رچ بس جائے یہ چیز لائق رشک ہے،حضرت مرحوم کوبھی اللہ تعالی نے یہ دولت نصیب فرمائی تھی،قرآن کریم ان کے گوشت پوست میں رچ بس گیا تھا بلکہ یوں کہوں تو شاید غلط نہ ہوگا کہ قرآن کریم ان کی غذا بن گیا تھا،قرآن کریم سے آپ کو ایسی محبت تھی کہ اخیری زندگی میں تو رات دن آپ اس کی تلاوت ہی میں مصروف رہتے تھے،قرآن کریم کی تلاوت سے سیری نہیں ہوتی تھی، اللہ تعالی ہمیں بھی یہ دولت نصیب فرمائے،آمین۔

چنداوصاف حمیدہ کا ذکر

مرحوم حسن خلق اور علم وحیا کے پیکر تھے،بغض وحسد سے دور،غیبت سے نفور،درد و انسانیت سے معمور اور بادہ شرافت سے مخمور تھے،طبیعت میں انکساری،فطرت میں غمخواری اور سینہ بے کینہ کے مالک تھے، گویا حضرت نثار فتحی کے اس قطعہ کے مصداق تھے ؎

کوئی زخمی ہو تڑپتے ہم ہیں

ہر جلن اپنی جلن ہو جیسے

سب کی تکلیف ہے اپنی تکلیف

ہر بدن اپنا بدن ہو جیسے

سینہ بے کینہ کے مالک

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

عن ابی ھریرۃؓ ،لا تحاسدوا،ولا تناجشوا،ولا تباغضوا،ولا تدابروا،وکونوا عباد اللہ اخوانا(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپس میں حسد نہ کرو،ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو،آپس میں بغض نہ رکھو،ایک دوسرے کی جڑ نہ کاٹو،ایک دوسرے کی طرف پشت نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔

حدیث بالا میں جن برائیوں سے ہر مسلمان کو اپنے آپ کو پاک صاف رکھنے کا حکم ہے،مرحوم نے خود کو ان تمام روحانی بیماریوں سے پاک صاف کر رکھا تھا یہاں مجھے خاص طور سے ایک وصف یعنی سینہ بے کینہ کے تعلق سے کچھ تحریر کرنا ہے،فارسیان کہتے ہیں ؎

آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشت
کفر ست در طریقت کینہ ما داشت

ترجمہ۔ ہمارا آئین ہے سینہ کو آئینہ کی طرح صاف رکھنا، ہماری طریقت میں تو کینہ رکھنا کفر ہے، بعض جگہ دیہات میں دیہاتی زبان میں کہتے ہیں کہ اس کے دل میں کفر ہے، یعنی کینہ ہے، کینہ کو کفر کہتے ہیں، اگر دل میں کسی کی طرف سے میل آجائے تو آخر آئینہ کو بھی تو صاف کرتے ہیں اگر دل پر غبار آجائے تو دل کو بھی صاف کرلینا چاہئے۔

ایک واقعہ۔ احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ یہ شارح بخاری ہے فن قرأت میں امام تھے، فقہ وحدیث میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، وعظ گوئی میں بھی بے مثل تھے، ان کی زبان وقلم میں برکت تھی، کہتے ہیں کہ حافظ سیوطیؒ کو ان سے شکایت تھی کہ وہ اپنی کتابوں میں میری تصنیفات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور میرا حوالہ نہیں دیتے۔

علامہ قسطلانیؒ کو یہ معلوم ہوا تو قاہرہ سے روضہ تک جہاں علامہ سیوطیؒ رہتے تھے پیدل چل کر معذرت کے لئے گئے، دروازہ پر دستک دی تو علامہ سیوطیؒ نے پوچھا کون؟ انہوں نے کہا میں قسطلانی ہوں، میں ننگے پاؤں ننگے سر حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ کا دل میری جانب سے صاف ہو جائے، علامہ سیوطیؒ نے اندر ہی سے جواب دیا کہ میرا دل صاف ہو گیا (اعیان الحجاج ص ۴۸۵ تغیر)

الغرض! حضرتؒ ''سینہ بے کینہ،، کے مالک تھے، آپ کی شخصیت بالکل اس شعر کا مصداق تھی۔

غبار ،کینہ و بغض و حسد سے پاک ہے یہ دل
ہمارے آئینہ نے منہ نہیں دیکھا کدورت کا

(ارشد علی خان)

سینہ بے کینہ کا فائدہ۔حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حقیقی بھائی حضرت مولانا محمد طاہر صاحب قاسمیؒ کے حالات میں تحریر فرمایا ہے کہ موصوف کا قلب اس قدر صاف تھا کہ ابھی آگ اور ابھی پانی، کینہ وحسد، بغض وعناد سے قلب صاف تھا ان کی وفات کے بعد راقم الحروف نے خواب میں دیکھا تو کہہ رہے تھے کہ 'میری نجات ہوگئی ہے قلب کی صفائی اور سینہ بے کینہ میرے کام آیا،، (لالہ وگل ص ۳۳۴)

دل تو آئینہ ہے شفاف رکھ اے شاہد
کیوں کریں بغض وحسد کس لئے کینہ سیکھیں

(شاہد ماہلی)

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ
شہرت تو جنازے کے دن پتہ چلے گی
دولت تو یہاں ہر کوئی کما لیتا ہے
جب انتقال ہوا تو ایک بڑے مجمع نے باوجود اس کے کہ لوگ روزہ دار تھے

نماز جنازہ میں شرکت کی، یہ بھی آپ کی عند اللہ و عند الناس مقبولیت کی علامت تھی، آپ کی شخصیت واقعی دلوں پر حکومت کرنے والی تھی، جگر مرحوم نے کہا ہے ؎

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

smile

ملے گا کیا دلوں میں نفرتیں رکھ کر
بڑی مختصر سی زندگی ہے مسکرا کر ملا کرو
زندگی بھر مسکرانے کی ریاضت کیجئے
چلتے پھرتے آتے جاتے یہ عبادت کیجئے
خوش دلی کے ساتھ ملئے آدمی سے اور پھر
آنکھوں میں بس جائیے دلوں پر حکومت کیجئے

مسکراہٹ ایک ایسا عمل ہے جو آپس میں دلوں کو جوڑنے کا کام کرتا ہے، نیک نیتی سے جو مسکراہٹ چہرے پر آتی ہے وہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں پاکیزگی جھلکتی ہے، سامنے والے سے مسکراتے ہوئے ملنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت ہے، حضرت کو میں نے جب بھی دیکھا چہرہ پر مسرت دیکھا، آپ سے جب بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا مسکراتے ہوئے ملے، آپ کی گفتگو سے پہلے آپ کی مسکراہٹ زائرین کا استقبال کرتی تھی، مسکراہٹ میں بلا کی

کشش تھی جو سامنے والے کے غم و دکھ کا بھی ایک حد تک مداوا بنتی تھی،آپ کی پیشانی پر کسی کو دیکھ کر چاہے وہ وطن کا ہو یا وطن سے باہر کا، جان پہچان والا ہو یا اجنبی، عالم ہو یا غیر عالم،شہری ہو یا دیہاتی، چھوٹا ہو یا بڑا،امیر ہو یا غریب شکن نہیں پڑتی تھی،آپ کے چہرے پر اپنے نام ''اسماعیل،، کی طرح ہمیشہ smile تیرتی رہتی تھی، عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ ملنے والے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ اپنے مکان تک لے جاتے تھے، یہ بھی ایک ایسی ادا تھی جو مرحوم کا ہی حصہ تھی،آپ کا یہ عمل آپ سے ملنے والے کو آپ کا گرویدہ بنا دیتا تھا۔

اپنا وہی ہے وقت پہ جو کام آ گیا

مرحوم ہر ایک کو اس کے اچھے برے وقت میں خاص کر برے وقت میں کام آتے تھے۔

دل کو سکون روح کو آرام آ گیا
موت آ گئی کہ دوست کا پیام آ گیا
دیوانگی ہو عقل ہو امید ہو کہ یاس
اپنا وہی ہے وقت پہ جو کام آ گیا

ذاتی واقعہ

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

(علامہ اقبالؒ)

بندہ مفتاح العلوم،تراج ضلع سورت میں عربی اول کے درجہ میں تھا،مدرسہ کا ایک طالب علم طلباء میں اکابر کی کچھ کتابیں قیمۃً فروخت کرتا تھاان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے مواعظ کا مجموعہ بنام’’اصلاحی خطبات،،کی شروع کی چار جلدیں بھی تھیں،میں نے جمعرات کو گھر آکر والد صاحب سے اس کا ذکر کیا کہ مجھے مذکورۂ بالا کتاب خریدنی ہے اور اس کی کل قیمت اتنی ہے،والد صاحب اسی وقت مجھے اپنے ساتھ لے کر حضرت کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ اسے کچھ کتابیں خریدنی ہے مگر میرے پاس فی الحال اتنے پیسے نہیں ہے اگر آپ اس سلسلہ میں کچھ مدد کر سکے،مرحوم نے وہ پوری رقم میرے ہاتھ میں رکھتے ہوئے فرمایا کہ لو بیٹا!اس رقم سے کتاب خرید لینا ساتھ کچھ نصیحتیں بھی کیں،یہی وہ پہلی کتاب تھی جو میری ملکیت تھی،اللہ تعالی مرحوم کو اور آپ کی فیملی کو دارین میں اس کا صلہ عطا فرمائے،آمین

حضرت نے اپنے اس احسان کا تذکرہ بندے سے زندگی میں کبھی نہیں کیا کہ میں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا تھا،یہی آپ کا دائمی وطیرہ تھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کر کے اس کو بھول جاتے تھے،داغ دہلوی کا یہ شعر بالکل

آپ کے مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔

گر ہو سلوک کرنا انسان کر کے بھولے
احسان کا مزہ ہے احسان کر کے بھولے

سلوک

ہیں جہاں میں وہی لوگ اچھے
جو کام آتے ہیں دوسروں کے

(مولانا الطاف حسین حالی)

کیا لگے آنکھ کہ پھر دل میں سمایا کوئی
رات بھر پھرتا ہے اس شہر میں سایہ کوئی
فکر یہ تھی کہ شب ہجر کٹے گی کیوں کر
لطف یہ ہے کہ ہمیں یاد نہ آیا کوئی
شوق یہ تھا کہ محبت میں جلیں گے چپ چاپ
رنج یہ ہے کہ تماشا نہ دکھایا کوئی
شہر میں ہمدم دیرینہ بہت تھے ناصر
وقت پڑنے پہ میرے کام نہ آیا کوئی

(ناصر کاظمی)

مرحوم اسماعیل بھائی حکیم جی جو لاجپور سے ہجرت کر کے سورت شہر میں

مقیم ہوگئے تھے، وقتاً فوقتاً لاجپور آتے جاتے رہتے تھے،کبھی کبھی میرے والد صاحب کو ملنے گھر پر بھی آتے تھے، والد صاحب سے ان کی رشتہ داری بھی تھی، ان کا مکان ہمارے پڑوس میں ہی تھا جہاں اب وہائٹ ہاؤس بن گیا ہے، ایک دن وہ والد صاحب کو سنانے لگے کہ مجھے کچھ پیسوں کی فوری طور پر ضرورت تھی میں گاؤں میں کئی لوگوں کے پاس جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت دے رکھی ہے امداد لینے کی غرض سے پہنچا مگر کسی نے میری مدد نہیں کی، اخیر میں بھائی میاں بھائی کی خدمت میں پہنچا مرحوم نے فوراً میری ضرورت پوری کر دی۔

یہی حال حضرت مرحوم کا بھی تھا

حضرت کے پاس سے کئی لوگ قرضہ کے نام پر رقم لیجاتے تھے، آپ رقم دے تو دیتے مگر ان سے رقم واپس مانگنے میں حیا محسوس ہوتی تھی، آپ کا مزاج اس سلسلہ میں بالکل حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب مرحوم جیسا تھا، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ موصوف کے متعلق اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ حضرت لینے کے معاملے میں بڑے ڈھیلے تھے، کسی نے ان کے پیسے دینے ہوتے تو کبھی پوچھتے نہیں تھے، دے جائے، دے جائے، نہ دے جائے تو نہ سہی، میں نے کسی معاملے میں ان سے تیس ہزار قرضہ لے رکھا تھا، میرے ساتھی مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب ہیں، ان کے سامنے ایک دفعہ ذکر ہوا میں نے کہا کہ مفتی صاحب کے پیسے میرے ذمے ہیں تھوڑے تھوڑے کر کے ادا کر رہا ہوں، مولانا جمیل خاں

صاحب مجھے ہنس کے کہنے لگے ماموں! آپ بھی عجیب آدمی ہیں، مفتی صاحب کے پیسے بھی کبھی دیا کرتے ہیں، بہر حال میں نے دیدیئے اور یقین تھا کہ اگر نہ دیتا تو وہ نہیں مانگتے ہو بہو یہی حال حضرت مرحوم کا بھی تھا، مجھے یقین ہے کہ آج بھی کئی ایسے لوگ ہوں گے جن پر آپ کے پیسے نکلتے ہوں گے۔

ایک ایسی ادا جس پہ مر مٹنے کو جی چاہتا تھا

ایک خوبی آپ میں یہ بھی تھی کہ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی اس طرح ملتے تھے کہ اس کو دیکھ کر شاید کچھ دیر کے لئے چھوٹوں کو بھی یہ خیال آجاتا ہوگا کہ میں بھی کچھ ہوں تبھی تو یہ مجھ سے اس طرح مل رہے ہیں، میرے سامنے بچھے جارہے ہیں، اس درجہ مرحوم میں انکساری تھی گویا کہ وہ عاجزی وانکساری کا پیکر تھے، واقعی انکساری میں اگر ذوق سلیم ہو تو بڑی لذت ہے، کسی نے خوب کہا ہے ؎

انکساری میں کیسی لذت ہے
یہ رئیس و نواب کیا جانے
ہم سے پوچھو مزے فقیری کے
شیخ عالی جناب کیا جانے

پیکر محبت شخصیت

نظر ملا کے ذرا اپنے رو برو کر کے
ہمیں تو لوٹ لیا تم نے گفتگو کر کے

مرحوم کی یہی وہ اداتھی جو مقناطیسیت کا اثر رکھتی تھی جو ہر چھوٹے بڑے کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، جو آدمی آپ سے ایک مرتبہ ملتا اس کی طبیعت میں مرحوم سے دوبارہ ملاقات کی خواہش جنم لیتی، اور وہ آپ سے ملنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا، مرحوم کے ہر ایک سے ملنے کا انداز بھی ایسا نرالا تھا کہ وہ سامنے والے کو دوسری ملاقات پر مجبور کر دیتا تھا، وہ اجنبی سے بھی پہلی ہی ملاقات میں اس طرح محبت اور کھلے دل سے ملتے تھے کہ گویا اس سے برسوں کی شناسائی ہو، اجنبی بھی آپ سے ملکر یہ محسوس کرتا تھا کہ میں کسی اپنے بہت قریبی سے مل رہا ہوں، ورنہ آج کا دور ایسا ہے کہ لوگ اپنوں کو دیکھ کر بھی ملنے سے کتراتے ہیں اجنبی کا تو ذکر ہی کیا ہے، اور یہاں معاملہ یہ تھا کہ جہاں کسی اجنبی اور مسافر کو دیکھا خود آگے بڑھ کر اس سے ملاقات کی اور موقع کے مناسب اس کی خاطر تواضع کر دی، یہ آپ کی سرشت میں داخل تھا، اب شاید ایسے اشخاص چراغ لیکر ڈھونڈھنے نکلو تو بھی نہیں ملیں گے۔

مرحوم خوش خلقی کے مالک تھے

مرحوم خوش خلقی کے مالک تھے، مشائخ کرام نے خوش خلقی کی دس علامات بیان کی ہیں

(۱) لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا

(۲) لوگوں کی غمخواری کرنا

(۳) حاجت مندوں کے کام آنا

(۴) لوگوں کے اچھے کام کی مخالفت نہ کرنا

(۵) عیب جوئی وعیب گوئی سے پرہیز کرنا

(۶) اپنے عیوب پر اور دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھنا

(۷) کوئی مذمت کرے تو اس کی نیک تاویل کرنا

(۸) ستانے والے کی معذرت قبول کرنا

(۹) ہر کام میں میانہ روی اختیار کرنا

(۱۰) لایعنی سے پرہیز کرنا

ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ اپنے قول وفعل سے کسی کو ایذا نہ پہنچانا یعنی کسی کا دل نہ دکھانا، کہتے ہیں کہ من، دل، موتی اور دودھ اگر پھٹ پھوٹ جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں، واقعہ بھی یہی ہے کہ بداخلاق آدمی سے نہ خالق خوش ہوتا ہے نہ مخلوق، آپ نے پوری زندگی اس طرح گذاری کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، آپ ایک بے ضرر انسان تھے، آپ کی زندگی اس کا مصداق تھی کہ ؎

یہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہوں

اثنان لا تذکرھما ابدا

حضرت لقمان حکیمؒ نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت فرمائی ہیں ان میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ

اثنان لا تذکرھما ابدا　　دو چیزیں ایسی ہیں کہ تو ان کا کبھی تذکرہ نہ کر

اسائۃ الناس الیک　　لوگوں کا تیرے ساتھ برائی کا معاملہ کرنا

واحسانک الی الناس　　اور تیرا لوگوں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرنا

و اثنان لا تنساھما ابدا　　اور دو چیزوں کو کبھی نہ بھلا

الله　　اللہ تعالیٰ کو

والدار الاخرۃ　　اور آخرت کے گھر کو

حضرت مرحوم کی زندگی میں یہ سب باتیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

واقعات زندگی خود بھول جاتا ہوں میں

دنیا کے ستم یاد نہ اپنوں کی جفا یاد
مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد

مرحوم کو کسی سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی بھی تو ان کا حال حضرت ڈاکٹر عبدالحیٌ عارفی صاحبؒ کے اس شعر کا مصداق تھا کہ ؎

اب کسی سے کیا شکایت؟ کیا گلہ؟
واقعات زندگی خود بھول جاتا ہوں میں

کسی سے کوئی تکلیف پہنچی بھی تو آپ نے اسے معاف کر دیا، نہ کسی سے شکایت کی، نہ گلہ کیا۔

معاف کرنے کا مفہوم

یہاں معاف کرنے کا مفہوم بھی سمجھ لیجئے، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ ''آسان نیکیاں،، نامی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا یا آخرت میں اس سے انتقام نہ لیا جائے اور بس! لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس سے دل بھی کھل جائے، کیوں کہ دل کا کھل جانا اختیاری بات نہیں ہوتی، وہ زیادہ تر دوسرے شخص کے آئندہ رویے پر موقوف ہوتا ہے لہذا اگر دل میں اس شخص کی طرف سے انقباض رہا اور خوشگوار تعلقات قائم نہ ہو سکے لیکن اس شخص نے بدلہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا اور تعلقات صرف حقوق کی ادائیگی (سلام کا جواب وغیرہ) کی حد تک رکھے تب بھی ان شاء اللہ معاف کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

اسی طرح معاف کرنے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس شخص کی طرف سے آئندہ اس قسم کی تکلیف پہنچنے کا سد باب نہ کیا جائے، اگر اندیشہ ہو کہ وہ شخص دوبارہ ایسی حرکت کرے گا تو اس کے سد باب کے لئے کوئی اقدام کرنا بھی معافی کے خلاف نہیں ہے (آسان نیکیاں ص ۵۹۔۶۰ بتغیر)

مسحور کن شخصیت

جب سے شعور کی آنکھیں کھولی یا کہہ لیجئے کھلی اس وقت سے لے کر اب

تک زندگی کا جتنا دور گذرا اس میں جن شخصیات نے سب سے زیادہ متاثر کیا اور قلب پر گہری چھاپ اوا ثر چھوڑا ان میں سے ایک حضرتؒ کی شخصیت تھی۔

خوشی

بندے کو پوری زندگی اس بات کی خوشی رہے گی کہ میں نے اس فرشتہ صفت آدمی کو دیکھا اور صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ ان کی صحبت بابرکت میں بیٹھنے اور استفادہ کا موقع بھی ملا۔

کتنے حسین لوگ تھے جو مل کر کے ایک بار
آنکھوں میں بس گئے دل و جاں میں سما گئے

رفتید ولے، نہ از دل ما

جن شخصیات کو میں زندگی بھر نہیں بھولا سکتا ان میں ایک حضرتؒ کی شخصیت ہے، مرحوم دنیا سے تو چلے گئے، لیکن

رفتید ولے، نہ از دل ما

مسلمانی در کتب، و مسلماں در گور

مرحوم کی شخصیت کو دیکھ کر یہ معلوم کیا جا سکتا تھا کہ مسلمان کیسا ہوتا ہے اور مسلمان کو کیسا ہونا چاہئے، ورنہ آج کے دور میں اسمی اور رسمی مسلمانوں کی تعداد تو خوب ہے حقیقی مسلمان کو تو چراغ لے کر ڈھونڈنا پڑے گا، حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ فرماتے تھے کہ آج کا دور ایسا ہے کہ ''مسلمانی در کتب، و مسلماں

در گور،،

بے ضرر شخصیت

حضرتؒ بے ضرر شخصیت کے مالک تھے، کسی بھی معاملہ میں ان پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کیا جا سکتا تھا، ورنہ آج کا دور ایسا ہے کہ غیر اور پرائے کی بات تو دور رہی اپنوں پر بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، بقول شخصے ؎

اب درندوں سے نہ حیوانوں سے ڈر لگتا ہے
کیا زمانہ ہے کہ انسانوں سے ڈر لگتا ہے
عزت نفس کسی کی محفوظ نہیں
اب تو اپنے ہی نگہبانوں سے ڈر لگتا ہے
خوں ریزی کا یہ عالم ہے کہ اللہ خیر کرے
اب مسلمانوں کو مسلمانوں سے ڈر لگتا ہے

اور

زمانہ ہے سراپا شر دیکھ لیجئے   محبت سے خالی بشر کو دیکھ لیجئے
عیاں ہے ضرر ہی ضرر دیکھ لیجئے   نہ دوزخ سے خائف، نہ جنت کے شائق

آج کا دور تو بقول جگر مرادآبادی ؎

جہل خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو

بہتر اور بدتر

خیرکم من یرجی خیرہ ویومن شرہ،وشرکم من لا یرجی خیرہ ولا یومن شرہ

مرحوم کی ذات بابرکت سے ہر ایک مطمئن تھا،از روئے حدیث مسلمان کی یہی پہچان بتائی گئی ہے،مشکوۃ شریف میں بحوالہ ترمذی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ

خیرکم من یرجی خیرہ ویومن شرہ،وشرکم من لا یرجی خیرو لا یومن شرہ

تم میں سب سے بہتر آدمی وہ ہے جس سے خیر کی امید ہو اور لوگ اس کی طرف سے پر امن ہوں،اور تم میں بدترین آدمی وہ ہے جس سے خیر کی امید نہ ہو اور اس کی شرارتوں سے لوگ مطمئن نہ ہوں،نیز فرمایا

المومن من امنه الناس علی دمائهم و اموالهم(مسند احمد)

مومن کی پہچان یہ ہے کہ اس کے شر سے لوگ محفوظ رہیں،آپ سے واقف ہر شخص کو آپ کے متعلق یقین تھا کہ وقت آنے پر یہ اپنا نقصان تو کر سکتے ہیں مگر کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور نہ ہی نقصان پہنچنے دیں گے،کسی پر اس طرح

کا اور اس درجہ کا اطمینان اس دور خود غرضی میں بڑی بات ہے، گویا آپ کی شخصیت اس شعر کا مصداق تھی کہ ؎

اس نفع وضرر کی دنیا میں ہم نے یہ لیا ہے درس جنوں
اپنا تو زیاں منظور اوروں کا زیاں منظور نہیں

آپ کی ذات عالی اس حدیث پاک کا بھی مصداق تھی

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده"

(حقیقی) مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔

یادوں کا گلشن مہکتا ہی رہے گا

آج بھی حضرت کا نورانی چہرہ، لبوں پر تیرتی مسکراہٹ گویا نظروں کے سامنے ہے، حضرت کے انتقال کے بعد جب بھی گاؤں میں حاضری ہوئی آپ کی کمی کو دل نے شدت سے محسوس کیا اور تادم حیات ان کی کمی کھلتی رہے گی۔ ؎

آتی ہی رہے گی آپ کے انفاس کی خوشبو
آپ کی یادوں کا گلشن مہکتا ہی رہے گا

تو ایک قصہ یاد آجاتا ہے

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ فرماتے تھے کہ پانی پیتا ہوں تو مولانا یوسف بنوریؒ یاد آجاتے ہیں، پھر یاد آنے کی وجہ بیان فرماتے تھے کہ ایک

مرتبہ کراچی میں ہم ساتھ میں ناشتہ پر موجود تھے، کچھ مذاکرہ آداب طعام وسنن کے بارے میں ہورہا تھا تو اس موقع پر فرمایا کہ خالی مشروب کی دعا نظر سے گذری ہے عرض کیا گیا کہ ہم لوگوں میں کمی ہر اعتبار سے ہے، ہم لوگوں کو معلوم نہیں ہے، پھر مولانا نے کتاب کا حوالہ دیا اور دعا بتلائی

الحمدلله الذی سقانا عذبا فراتا برحمته ولم يجعله ملحا اجاجا بذنوبنا (روح المعانی ۲۷۔۱۴۹)

اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اپنے فضل سے شیریں چیز پلائی جو ہمارے حلق میں آسانی سے اترنے والی ہے اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے کڑوا اور حلق میں پھنسنے والا نہیں بنایا، تو جب پانی پیتا ہوں یا کوئی چیز پیتا ہوں تو وہ دعا یاد آجاتی ہے۔

ویسے ہی مجھے بھی جب میں پانی پینے کے لئے گلاس اٹھاتا ہوں تو مرحوم یاد آجاتے ہیں، قصہ کچھ یوں ہے کہ لاجپور کی جامع مسجد میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب پالن پوریؒ کا بیان تھا، بیان کے بعد جامع مسجد کے صحن میں حضرت مفتی صاحب اور دیگر کچھ حضرات موجود تھے، حضرت مفتی صاحب نے پینے کے لئے پانی طلب کیا، جب تین گھونٹ پانی پی چکے تو بھائی میاں بھائی نے آپ کا تبرک حاصل کرنے کی غرض سے حضرت مفتی صاحب سے یوں عرض کیا کہ حضرت! گلاس کے اندر کچرا نظر آرہا ہے لائیے پانی کا گلاس مجھے دیدیجئے یہ کہہ کر ان کے

ہاتھ سے گلاس اپنے ہاتھ میں لیا اور بچا ہوا پانی (تبرک) پینے لگے، حضرت مفتی صاحب سمجھ گئے کہ انہوں نے یہ ترکیب تبرک حاصل کرنے کے لئے کی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے بھائی میاں بھائی کا تبرک حاصل کرنے کی غرض سے ان سے عرض کیا کہ حضرت! آپ کو آج پانی پینے کی ایک اہم سنت بتلاتا ہوں، لائیے پانی کا گلاس مجھے دیجئے یہ کہہ کر ان کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیا اور فرمایا کہ وہ سنت یہ ہے کہ پانی دیکھ کر پیا جائے تاکہ پتہ چلے کہ گلاس میں کوئی چیز گری ہے بھی یا نہیں، یہ فرما کر بچا ہوا پانی نوش فرمالیا، اللہ اکبر! ہمارے اکابر کی ایک ایک ادا نرالی ہے، احقر بھی جب بھی پانی پیتا ہے تو دونوں بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

قابل تقلید عمل

حضرت نے ایک طویل عرصہ مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں بچوں کو ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم دی، یہ وہ دور تھا کہ مکتب میں ضرب یضرب کی گردان پر اساتذہ سو فیصد عمل پیرا تھے، والدین کی اکثریت بھی ایسی تھی جو مکتب کے اساتذہ کو یوں کہہ کر پٹائی کا لائسنس فراہم کرتی تھی کہ گوشت آپ کا اور ہڈی ہماری، تو اساتذہ کی ایک جماعت ایسی تھی جو دل کھول کر فائر کرتی تھی جو از روئے شرع درست نہیں ہے، ساتھ میں بچوں کو یہ ملفوظ بھی یاد کرا دیا جاتا تھا کہ استاذ کی مار بدن کے جس حصہ پر لگتی ہے وہ چمڑی اور بدن کا وہ حصہ جہنم میں نہیں جلے گا، اللہ کرے کہ معاملہ ایسا ہی ہو (لطیفہ۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ استاذ کی مار سے جہنم کی آگ سے

چھٹکارا ملتا ہے، زمانہ طالب علمی میں یہ کہکر خوب مار کھائی، اب دوسروں کو آگ سے خلاصی (چھٹکارا) دینے کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ کتب حدیث میں وہ حدیث ہی نہیں ہے) ویسے طلباء کو جسمانی تنبیہ کا مسئلہ آج کل افراط وتفریط کا شکار ہے، تو ایسے دور میں جب جسمانی تنبیہ طلباء کی خوب کی جاتی تھی، حضرتؒ نے اس دور میں بھی بچوں کو جسمانی تنبیہ کئے بغیر تعلیم دی، حضرت کا یہ مزاج مکتب کے سب طلباء جانتے تھے، اس لئے ہر طالب کی دلی تمنا ہوتی تھی کہ اسے حضرتؒ کی درس گاہ میں داخلہ مل جائے، کچھ باتیں طلباء کی جسمانی تنبیہ کے تعلق سے پیش خدمت ہے۔

طلباء کے ساتھ برتاؤ میں شفقت کا غلبہ ہونا چاہئے

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ فرماتے تھے کہ طلباء کے ساتھ برتاؤ میں شفقت کا غلبہ ہونا چاہئے، افہام وتفہیم ہی کا معاملہ رکھا جائے، جہاں تک ہوسکے تادیب ضربی سے احتیاط کی جائے، اس زمانہ میں جو لوگ پڑھاتے ہیں ان کا اصلاحی تعلق بزرگوں سے نہیں ہوتا، ان کی اصلاح ہوئی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے تادیب ضربی میں نفسانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور غصہ اتارنے کے لئے مارتے ہیں حدود کی رعایت نہیں ہو پاتی، ہسپتالوں میں ہر ایک ڈاکٹر آپریشن نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے کچھ لوگ خاص ہوتے ہیں اکثر لوگ گولیاں وغیرہ ہی دیتے ہیں، اسی طرح تادیب ضربی کا معاملہ ہے، یہ بھی ایک طرح سے آپریشن ہی ہے، تو یہ کام ہر ایک کو نہیں کرنا چاہئے، تادیب ضربی نہ کرنا یہ بھی تو سنت ہے، اس پر بھی تو عمل کرنا

چاہئے ، چنانچہ حضرت انسؓ جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے،آپ کی تعلیم وتربیت میں دس برس رہے مگر ہمیشہ آپ کا معاملہ ان کیساتھ کیسا تھا؟ محبت و شفقت کا،تو اب اس سنت پر بھی عمل ہونا چاہئے (مجالس محی السنہ ص۲۰۔۲۱)

جب ان کی کھال قیامت میں کھینچی جائے گی تب ان کو پتہ چلے گا

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ ملا جی، حافظ جی لڑکوں کو بہت مارتے ہیں جب ان کی کھال قیامت میں کھینچی جائے گی تب پتہ چلے گا، یہ مختلف مجلسوں میں کئی مرتبہ فرمایا (مجالس مسیح الامت ج۳ ص۳۱۴)

رعب سے کام چلائے

دارالعلوم کراچی کے فتوی کا ایک اقتباس ہے کہ استاذ کو چاہئے کہ وہ حفظ و ناظرہ کے بچوں کو شفقت ونرمی سے پڑھائے ، بے جا سختی، ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے کام نہ لے بلکہ اپنے رعب سے کام چلائے۔

ڈنڈے سے مارنا جائز نہیں

اس کے باوجود اگر کوئی طالب علم سبق یاد نہیں کرتا وقت ضائع کرتا ہے تو طالب علم کی اصلاح کی غرض سے اس کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے استاذ اس کی صرف کھلے ہاتھ سے ہلکی پٹائی کرسکتا ہے،استاذ کا طالب علم کو ڈنڈے سے مارنا جائز نہیں بلکہ ہاتھ سے بھی زیادہ سے زیادہ تین دفعہ اس کو ہلکی مار لگا سکتا ہے،جس سے

بدن پر نشان نہ پڑے، نیز چہرے پر اس کو ہرگز نہ مارے اور جسم کے دیگر نازک حصوں پر نہ مارے۔

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال اذا ضرب احدکم فليتق الوجه (ابوداوٗد ۳۱۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی مارے تو چہرے سے بچے (یعنی چہرے پر نہ مارے) شامی میں ہے کہ تین دفعہ ہاتھ سے ہلکی پٹائی (جس سے بدن پر نشان نہ پڑے) تجاوز نہ کریں (شامی ج ۱ ص ۳۵۲)

غصہ میں بچوں کو ہرگز نہ مارا جائے

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ غصہ میں بچوں کو ہرگز نہ مارا جائے بلکہ غصہ فرو ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی جائے، بہتر سزا یہ ہے کہ بچوں کی چھٹی بند کر دی جائے، اس کا ان پر کافی اثر ہوتا ہے، ملا جی مارنے میں اس واسطے آزاد ہیں کہ ان سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں، بچے تو باز پرس کے اہل نہیں، اور والدین کا مقولہ ہے کہ ''ہڈی ہماری اور چمڑی میاں جی کی''، مگر یاد رکھو جس حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۳)

اولاد تین قسم کی ہوتی ہے

وہی تو فیصلہ کرتا ہے پتھر کے مقدر کا
کسے پتھر ہی رکھنا ہے کسے اسود بنانا ہے

حضرت کے تین صاحبزادے ہیں تینوں پر کچھ لکھوں تو مضمون کافی طویل ہو جائے گا اس لئے بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں، حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ سابق شیخ الحدیث ام المدارس دارالعلوم دیوبند فرماتے تھے کہ اولاد تین قسم کی ہوتی ہے: (۱) پوت (۲) سپوت (۳) کپوت

جو اولاد صرف اولاد ہو یعنی نہ تو باپ کا نام روشن کرے، نہ بدنام کرے وہ ''پوت،، ہے

جواولاد باپ کا نام روشن کرے وہ ''سپوت،، ہے

اور جو باپ کو بدنام کرے وہ '' کپوت،، ہے

حضرتؒ کی ماشاءاللہ تینوں نرینہ اولاد ''سپوت،، ہے، اللہ تعالی تینوں کی زندگی میں ایمان وعافیت اور نیک اعمال کے ساتھ خوب برکت عطا فرمائے اور ان سے دین کا خوب کام لے، آمین

صاحبزادگان کو ملے سلامتی اور سعادت
عمر دراز اور خدا کی عنایت
بے مثال ہو جو ملے ایسی عزت
خوشیاں ہی خوشیاں ملے تا قیامت

تعزیتی مکتوب

حضرت کے انتقال پر بندے نے جو تعزیتی مکتوب لکھا تھا اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ومکرم حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ امید ہے آپ مع اہل خانہ بخیر ہوں گے، بندہ بھی عافیت سے ہے۔

والد صاحب کا انتقال رمضان المبارک میں ہوا (جس کی ہر مسلمان کو خواہش ہوتی ہے) مگر یہ سعادت بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔

اگر کوئی متوجہ ہوتا بھی ہے تو وہ صرف عبادت کا شعبہ ہے

قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ''یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ،، اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اللہ تعالی یہ چاہتے ہیں کہ ہر مسلمان پورے اسلام پر عمل پیرا ہو جائے، مگر بد قسمتی سے آج مسلمانوں کی اکثریت اس سے غافل ہے، اگر کوئی متوجہ ہوتا بھی ہے تو وہ صرف عبادت کے شعبہ تک ہے، حالانکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کے پانچ شعبے ہے (۱) ایمانیات (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) اخلاقیات (۵) معاشرت

حضرت والد صاحب نے جیسی زندگی گزاری اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ

انہوں نے اسلام کے ہر شعبے میں اپنے آپ کو پوراڈھال دیا تھا، مثالیں۔

یقین

(ا)ایمانیات۔ایمان نام ہے اللہ تعالی پر کامل یقین کا، جامع مسجد میں مسجد کے اندرونی حصہ میں چیونٹیاں نکل آئیں، نماز کا وقت ہوگیا تھا، حاضرین سوچ رہے تھے کہ چیونٹیوں کا کیا کیا جائے، اتنے میں حضرت والد صاحبؒ تشریف لائے، صورت حال دیکھ کر مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لے کر آئے، پانی پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور اس جگہ پر چھڑک دیا جہاں چیونٹیاں جمع تھیں، دیکھتے ہی دیکھتے ساری چیونٹیاں غائب، حاضرین میں سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے پانی پر کیا پڑھ کر دم کیا تھا کہ ساری چیونٹیاں غائب ہوگئیں، حضرت نے فرمایا کہ میں نے سورۂ نمل کی آیت کریمہ

یاایھاالنمل ادخلوا مسکنکم لا یحطمنکم سلیمن وجنودہ وھم لا یشعرون، پڑھ کر پانی پر دم کیا تھا۔

(۲)عبادات۔والدمرحوم ’’صاحب ترتیب،، تھے، آپ کا معمول ہمیشہ نماز باجماعت پڑھنے کا رہا اور وہ بھی صف اول میں تکبیر اولی کے ساتھ، اور صرف فرائض ہی نہیں بلکہ نوافل کے بھی خوب پابند تھے، نیز آپ کا معمول اذان سے کچھ دیر پہلے یا اذان کے فوراً بعد مسجد میں حاضری کا رہا۔

نیز رمضان المبارک میں کئی سال تک اخیری عشرے کے مسنون اعتکاف

کا بھی معمول رہا۔

یہ رقم لینا میرے لئے جائز نہیں

(۳) معاملات۔ مدرسہ اسلامیہ، لاجپور سے جب مدرسی کا تعلق منقطع کیا تو متولی صاحب نے رمضان المبارک کی تعطیل کی تنخواہ دینی چاہی، والد صاحب نے تنخواہ کی رقم یہ کہہ کر لوٹا دی کہ اب میں مدرس نہیں رہا لہذا اس رقم کا لینا میرے لئے جائز نہیں ہے۔

(۴) اخلاقیات۔ علماء نے لکھا ہے کہ اچھے اخلاق یہ نہیں ہے کہ دوسرے کی تکلیف پر صبر کیا جائے بلکہ اچھے اخلاق یہ ہے کہ دوسرے کو تکلیف سے بچایا جائے، اسی پر حضرت کا تاحیات عمل رہا۔

عیادت

(۵) معاشرت۔ والد مرحوم خود مریض تھے باوجود اس کے گاؤں میں کسی کے متعلق معلوم ہوتا کہ فلاں بیمار ہے تو اس کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، اس معاملے میں امیر وغریب کی آپ کے یہاں کوئی تخصیص نہیں تھی، نیز کسی کا انتقال ہو جاتا تو اس کے غسل اور کفن دفن میں بھی شرکت کرتے، کئی میت کی نماز جنازہ بھی پڑھائی، آج کا دور خود غرضی اور مطلب پرستی کا دور ہے، مالدار کو سلامی مارنے اور اس سے تعلق بڑھانے کا دور ہے، بقول حضرت تھانوی مالدار کی ریح بھی خارج ہو تو اس کے لئے تحسینی کلمات کہے جاتے ہیں اور غریب کی روح بھی خارج

ہو جائے تو اس کے آخری سفر میں شرکت سے گریز کیا جاتا ہے، آپ کے یہاں اس میں کوئی تفریق نہیں تھی، آپ امیر وغریب ہر ایک کی دعوت قبول کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا اس میں شرکت کرتے تھے۔

تو میزبان کی دل شکنی ہوگی

دعوت سے یاد آیا، ایک دعوت میں بندہ والد صاحبؒ کے ساتھ دسترخوان پر موجود تھے، دسترخوان پر کھانے کے کئی اقسام موجود تھے اس میں ''شولہ،، جو کہ سراپا شیریں ہوتا ہے موجود تھا، والد صاحب شوگر کے مریض آپ نے جب اس ڈش کی جانب ہاتھ بڑھایا تو ایک صاحب گویا ہوئے کہ حضرت! آپ تو شکر کے مریض ہے آپ کے لئے اس کا کھانا نقصان دہ ہوگا، جواب میں حضرتؒ نے فرمایا کہ دو چار لقمے کھالوں گا تو میزبان کا دل خوش ہو جائے گا۔

امداد کا جذبہ

والد صاحب ہمیشہ دوسروں کی مدد کے لئے تیار رہتے تھے (جو ان کے بس میں ہوتا تھا) کر گذرتے تھے، چاہے اس کا تعلق مال سے ہو یا تعویذ کی لائن سے یا سفارش کرنا ہو یا کچھ اور بندہ جامعہ ڈابھیل میں متعلم تھا، غیر حاضری کی وجہ سے حضرت مہتمم صاحب نے مدرسہ سے اخراج کر دیا، والد صاحب مجھے لے کر والد مرحوم کی خدمت میں پہنچے اور درخواست کی کہ مہتمم صاحب سے سفارش کر کے اس کا دوبارہ داخلہ کرا دے، نہ صرف یہ کہ والد صاحب نے پیش کش کو بخوشی منظور فرمایا

بلکہ اپنے خرچ سے مجھے آٹو رکشہ میں لے گئے اور داخلہ کرادیا، آج بھی جب اس شفقت کو یاد کرتا ہوں تو آنکھیں نم ہی نہیں بلکہ پرنم ہو جاتی ہیں۔

ہدیہ

والد صاحب نے مدرسہ اسلامیہ سے جب تدریسی تعلق (درازیٔ عمر اور بیماری کی وجہ سے) منقطع کیا اس موقع پر والد صاحبؒ کو کپڑے کا جو جوڑا ہدیۃً دیا گیا تھا، والد مرحوم نے وہ جوڑا بندے کو عنایت فرمایا، اس پر جو مجھے خوشی ہوئی اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔

کام کہاں تک پہنچا

خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلویؒ نے ۱۹۸۹ء میں مدینہ مسجد لندن میں سورۂ یوسف کی تفسیر بیان کی تھی، میں اس کو کیسیٹ کی مدد سے قلمبند کرر ہا تھا، مشغولیت کی وجہ سے یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے رک گیا، حضرت والد صاحب نے رفیق مکرم مولانا عبداللہ لاجپوری کے واسطہ سے مجھ تک پیغام بھیجوایا کہ اس سے پوچھو کہ تفسیر کا کام کہاں تک پہنچا؟ میں نے جواباً کہا کہ ’’**فلما ذهبوا به واجمعوا ان يجعلوه فى غيبت الجب**‘‘ تک کام ہوا ہے، اس پر والد صاحب نے فرمایا کہ عبدالسلام سے کہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تو اللہ تعالی نے بہت جلد کنویں سے نکال لیا تھا تم کیوں اس مضمون کے قلمبند کرنے میں دیری کر رہے ہو (مفہوم)

آنکھوں میں بس گئے دل وجاں میں سما گئے

والد صاحبؒ کی شخصیت ایسی تھی کہ جو بھی ان سے ملتا وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ ۔

کتنے حسین تھے جو مل کے اک بار
آنکھوں میں بس گئے دل وجاں میں سما گئے

اشعار

متفرق اشعار والد مرحوم کی یاد میں

آتی ہی رہے گی ان کے انفاس کی خوشبو
گلشن ان کی یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

بچھڑے کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل ہی گئی
اک شخص سارے گاؤں کو سوگوار کر گیا

زمانہ روئے گا برسوں ان کو یاد کر کے
گنیں گے سب ان کی خوبیاں یاد کر کر کے

یہ فخر کیا کم ہے برے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی ان کے ساتھ چلے ہیں

بھیڑ میں دنیا کی جانے وہ کہاں گم ہو گئے
کچھ فرشتے بھی رہا کرتے تھے انسانوں میں

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اٹھ جائیں گے
جن کو ہم ڈھونڈ ھنے نکلیں گے مگر پا نہ سکیں گے

زندگی ایسی جیو کہ دوسروں کو رشک ہو
موت ہو تو ایسی کہ دنیا دیر تک ماتم کرے

چلے تو گئے ہو مگر پکار رہی ہے ہر صدا ان کو
ابھی نہ جانے کتنی زباں سے وہ بیاں ہوں گے

جنت الفردوس میں پائیں وہ جگہ
مانگتے ہیں صدق دل سے ہم یہ دعا

مقابر میں جو آیا تو میں نے پوچھا
کدھر ہے رئیس کہاں ہے امیر
کہاں ہیں وہ جنہیں سلطنت پر اپنی ناز تھا
کہاں ہے وہ جو کبر والے تھے امیر

(۶)

خاندان صوفیہ لاجپور کے چشم و چراغ حضرت مولانا سراج احمد صاحب صوفیؒ

اسم ۔(مولانا) سراج احمد صوفیؒ

ولادت ۔۶ جون ۱۹۳۵ء

جائے پیدائش ۔لاجپور

وطن ۔لاجپور

درجہ عالمیت کی تکمیل ۔دارالعلوم اشرفیہ راندیر

تدریس ۔کاٹھیاواڑ، مدرسہ اسلامیہ، مدرسہ صوفیہ لاجپور اور ماڈاگاسکر

انتقال ۔لاجپور

تدفین ۔لاجپور

درجہ عالمیت کی ابتداء اور فراغت

فارسی اول سے لیکر درجہ عربی دوم تک جامعہ ڈابھیل میں تعلیم حاصل کی، بعدہ صوبۂ گجرات کی مشہور وقدیم دینی دانش گاہ دار العلوم اشرفیہ راندیر میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۴ء کو سند فضیلت وفراغ حاصل کی ۔

شرف تلمذ

بخاری شریف برکت گجرات، شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد رضا اجمیریؒ المعروف شیخ اجمیریؒ سے پڑھی۔

مہارت

فن تجوید میں بھی مہارت حاصل تھی یہ وہ دور تھا کہ گجرات میں لوگ قراء

ت سبعہ سے زیادہ واقف نہیں تھے۔

کوئی لقمہ کیوں نہیں دے رہا

جس سال آپ نے درجہ عالمیت کی تکمیل کی اس کے سالانہ جلسہ میں دار العلوم اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا احمد اشرف صاحب راندیریؒ نے جلسہ میں کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ اب مولانا سراج احمد صوفی لاجپوری قراءت سبعہ میں تلاوت پیش فرمائیں گے، چنانچہ آپ نے سورۂ فاتحہ اور سورۂ نوح کی تلاوت فرمائی، جولوگ قراءت سبعہ سے واقف تھے وہ تو خاموش رہے، البتہ جن لوگوں کو اس فن سے واقفیت نہیں تھی وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ شخص سورۂ فاتحہ بھول رہا ہے، چونکہ قرات سبعہ میں ایک آیت کو مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے، اس لئے قرات سبعہ نہ جاننے والوں کو مغالطہ ہوا، وہ کہنے لگے کہ اس کو کوئی لقمہ کیوں نہیں دے رہا۔

کاٹھیاواڑ کا سفر

فراغت کے بعد مولانا اشرف صاحب راندیریؒ نے آپ کو کاٹھیاواڑ مدرس بنا کر بھیجدیا، وہاں کے لوگ آپ کی خوش الحانی سے بہت محظوظ ہوئے، وہاں ایک سال تک دینی خدمت انجام دی، اس کے بعد گاؤں تشریف لے آئے اور لاجپور کے ''مدرسہ اسلامیہ،، میں خدمت شروع کی۔

ماڈاگاسکر کا سفر

اسی اثناء میں ماڈاگاسکر سے مولانا اسماعیل حاجی واڈیؒ خلیفہ پیر غلام حبیب صاحبؒ وطن تشریف لائے ،ان کے توسط سے آپ ماڈاگاسکر تشریف لے گئے ،وہاں ایک مسجد میں جس کے اختیارات ''مراکش،، کے ایک شاہ کے پاس تھے منصب امامت پر مامور ہوگئے ،تقریباً گیارہ سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔

برطانیہ وکینیڈا کا سفر

بعدہ برطانیہ کے دارالحکومت لندن اور لندن سے کینیڈا تشریف لے گئے مگر دونوں جگہوں پر آپ کا جی نہیں لگا۔

وطن واپسی

وطن تشریف لے آئے اور لاجپور کے ''مدرسہ اسلامیہ،، میں دوبارہ مدرس ہوگئے ، کچھ عرصہ بعد لاجپور کے ایک اور مدرسہ ''مدرسہ صوفیہ،، میں مدرس ہو گئے ،درازئ عمر کی وجہ سے بیماریوں نے آ گھیرا اور آپ کو ناچار تعلیم کا سلسلہ ملتوی کرنا پڑا۔

قرآن کی آیتوں کو بھلایا نہ جا سکا
جو رب نے لکھ دیا وہ مٹایا نہ جا سکا

(خالدزاہد)

ہم ہی ایمان لکھتے ہیں،ہم ہی ایمان پڑھتے ہیں
ہمیں کچھ اور مت پڑھواؤ ہم قرآن پڑھتے ہیں

(راحت اندوریؒ)

(۷)

حافظ شبیر بن محمد بن اسمعیل (نالہؔ) بلبلیا لاجپوری رحمہ اللہ

مختصر سوانحی خاکہ

اسم گرامی۔حافظ شبیر بن محمد بن اسماعیل بلبلیا (المعروف بہ نالہ بلبلیا)

وطن۔لاجپور، گجرات، انڈیا۔

تاریخ پیدائش۔۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء۔

اولاد۔دو صاحبزادے چار صاحبزادیاں، ایک صاحبزادی کا انتقال بچپن ہی میں ہو چکا تھا۔

انتقال۔۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء۔

تدفین۔لاجپور میں جو قبرستان نئی قبرستان کے نام سے معروف ہے اس میں عمل میں آئی، جہاں خاندان بلبلیا کے کئی افراد محو استراحت ہیں۔

حافظ قرآن

سامان تجارت مرا ایمان نہیں ہے
ہر در پہ جھکے سر یہ مری شان نہیں ہے
ہر لفظ کو سینے میں بسالو تو بنے بات
طاقوں میں سجانے کو تو یہ قرآن نہیں ہے

(ماجد دیوبندی)

مرحوم پر اللہ تعالی کا عظیم احسان ہوا کہ اللہ تعالی نے افضل الکتب، اشرف الکتب، سید الکتب کو آپ کے سینے میں محفوظ کر دیا تھا یعنی آپ حافظ قرآن تھے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کو قرآن کریم سے خوب لگاؤ تھا، تلاوت قرآن آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، رمضان المبارک جو بقول حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ قرآن کریم کی سالگرہ ہے اس میں آپ کی تلاوت میں مزید اضافہ ہوجاتا تھا، نیز رمضان المبارک میں آپ نے ایک طویل عرصہ تراویح میں قرآن کریم سنایا، قرآن کریم آپ کو خوب یاد تھا، جو حافظ بھی آپ کے ساتھ تراویح میں قرآن کریم سناتا اسے اگر سنانے میں غلطی لگتی تو لقمہ دینے والوں میں عموماً پہلی آواز حافظ صاحب مرحوم ہی کی ہوا کرتی تھی، مرحوم قرآن کریم تراویح میں روانی کے ساتھ اس طرح پڑھتے تھے کہ کوئی حرف کٹنے نہیں پاتا تھا۔

ایک اور سعادت

اگر ایمان سلامت ہے تو من میلا نہیں ہوتا
جو صدقہ بانٹتے ہیں ان کا دھن میلا نہیں ہوتا
زیادہ بولنے سے تو بہتر ہے چپ رہنا
ادب کی حد میں رہنے سے سخن میلا نہیں ہوتا
جن کو قرآن زبانی یاد ہیں ان کی
لحد محفوظ رہتی ہے کفن میلا نہیں ہوتا

موصوف خود حافظ قرآن تھے،آپ کے دو بھائی جان بھی حافظ قرآن تھے، آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حافظ حنیف اور حافظ قاسم کو بھی لاجپور کے ایک ولیٔ کامل، عارف باللہ حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب لاجپوری کے علمی گلشن ''مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ، سورت میں حافظ قرآن بنایا، حافظ حنیف نے کچھ عرصہ ''جامعۃ القراءت، کفلیتہ، اور مدرسہ صوفیہ، لاجپور میں دینی خدمت انجام دی ہے، حافظ قاسم نے مدرسہ صوفیہ لاجپور میں مکتب کے بچوں کو دینی تعلیم دی، موصوف بعد میں برطانیہ منتقل ہوگئے اور فی الحال ڈیوزبری میں ایک مکتب میں بچوں کو پڑھا رہے ہیں، آخرالذکر ملی کاموں میں بھی خوب سرگرم رہتے ہیں، موصوف کی زندگی بالکل اس کی مصداق ہے ۔

کچھ کئے جاؤ لے کر نام خدا
کچھ نہ کرنا بڑی نادانی ہے
کامیابی کچھ اور چیز نہیں
کام کرنا ہی کامیابی ہے

مگر یہ نہیں سوچا

آج کا دور ایسا ہے کہ ۔

بچوں کو پڑھانا ہے یہ تو سب سوچ رہے ہیں
قرآن کریم پڑھانا ہے مگر یہ نہیں سوچا

ایسے دور میں آپ نے پہلی ترجیح اس کو دی کہ اپنے بیٹوں کو نہ صرف یہ کہ قرآن کریم پڑھایا بلکہ ان کو حافظ قرآن بھی بنایا، یقیناً یہ حضرت مرحوم کے لئے صدقۂ جاریہ ہے، ان شاء اللہ

حفاظت

قرآن کریم کلام الٰہی ہے
علم کی دولت اس میں سمائی ہیں
حضور کے نبوت کی یہ نشانی ہے
اس میں بیان کردہ باتیں مثالی ہیں
یہ کلام راہ راست دکھاتا ہے
خدا نے اسے ماہ مبارک میں اتارا ہے
وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جس نے
سلام اسے دل میں اتارا ہے

(سلام لاجپوری)

مرحوم نے جس نسخہ میں قرآن کریم حفظ کیا تھا موت تک اس نسخہ کو اپنے پاس سنبھال کر رکھا تھا، تلاوت کا انداز بقول حافظ قاسم یہ تھا کہ جیسے ہی رمضان المبارک کا آغاز ہوتا اسی قرآن میں تلاوت کرتے تھے جس نسخہ میں انہوں نے پورا قرآن حفظ کیا تھا، قرآن کریم ہاتھ میں پکڑے رہتے اور زبانی یعنی بغیر دیکھے تلاوت کرتے

جاتے تھے۔

قابل رشک عمل

جو حضرات بھی قرآن کریم کی تلاوت خوبصورت انداز میں تجوید کی رعایت کے ساتھ کرتے تھے ان کے پڑھنے کو حافظ صاحب خوب پسند کرتے تھے، مرحوم اپنے مکان پر تقریر کا پروگرام منعقد کرتے تو اس میں نیز جمعہ کے روز لاجپور کی جامع مسجد میں ان قراء کو جو بہترین تلاوت کرتے ہو مدعو کرتے تھے اور ان سے نماز اور غیر نماز میں قرآن کریم سنتے تھے۔

قاری محمد حسین صاحب راندیریؒ

جن حضرات کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کرتے ان کے اسماء گرامی اس طرح ہیں

(۱) قاری محمد حسین راندیری مرحوم کا تلاوت قرآن کا انداز حافظ صاحب کو بہت پسند تھا، قاری صاحب کو وقتاً فوقتاً لاجپور مدعو کرکے ان سے سے تلاوت قرآن سنتے تھے۔

قاری یعقوب صاحب مولا رحمہ اللہ

(۲) قاری یعقوب صاحب مولا مرحوم کے تلاوت قرآن کا انداز بھی آپ کو بہت بھاتا تھا، قاری صاحب کا قیام سعودی عرب میں ہوتا تھا، جب بھی ان کی سعودی عرب سے انڈیا آمد ہوتی اور حافظ صاحب کو پتہ چلتا تو مرحوم ان کا ایک

بیان لاجپور جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے طے کرتے تھے اور ان سے ہی نماز وخطبہ بھی پڑھواتے تھے۔

قاری ثناءاللہ صاحب

(۳) قاری ثناءاللہ بھاگلپوری صدر قاری جامعۃ القراءت، کفلیتہ کو بھی جب کسی عالم دین کے بیان کا پروگرام منعقد کرتے تو تقریر سے پہلے ان سے قرآن کریم سنتے تھے۔

روز جمعہ کا ایک معمول

ہر جمعہ کو مصر کے مشہور قاری عبدالباسطؒ کی تلاوت سننے کا معمول تھا، تلاوت سنتے اور گھر والوں سے کہتے کہ سنو! میں بھی اسی طرز پر پڑھتا ہوں اور پھر سورۂ ضحیٰ اور دیگر مختصر سورتوں کی تلاوت قاری عبدالباسط کے انداز میں کرتے تھے۔

شہادت

سواری پر ہوتے تو اس وقت بھی زبان پر تلاوت قرآن جاری رہتی تھی، چھوٹے صاحبزادے کا بیان ہے کہ والد صاحب سے جن ہندو بھائیوں کے تجارتی تعلقات تھے وہ لوگ جب انتقال کے بعد گھر پر بیٹھنے کے لئے آئے تو کہنے لگے کہ شبیر بھائی جب بھی ہمارے پاس جانور خریدنے آتے تو تمہارے شاستر کی کوئی چیز پڑھتے رہتے تھے مراد تھا تلاوت قرآن کریم۔

اہل علم سے محبت

حافظ قاسم کا بیان ہے کہ والد صاحب کو حفاظ اور علماء سے خوب محبت تھی، اکثر ہمیں نصیحت کرتے تھے کہ حفاظ اور علماء کی عزت کرنا، ان کی کبھی برائی نہ کرنا، مولانا عزیز الرحمٰن گام حافظ جی کا بیان ہے کہ میں تو حافظ صاحب کا شاگرد ہوں مگر صرف اس نسبت پر کہ میں عالم دین ہوں جب کبھی میرا مسجد کے دروازے پر استاذ جی سے آمنا سامنا ہوجاتا تو ہمیشہ مجھ سے کہتے کہ پہلے تو جا، میں کہتا کہ حضرت! اول آپ تشریف لائیں تو منع کرتے اور فرماتے کہ نہیں پہلے آپ پھر میں۔

ایک عمدہ شوق

ہر تھوڑے عرصہ بعد گاؤں میں کسی بڑے عالم دین کا بیان رکھتے تھے، زیادہ تر جن کا بیان رکھتے تھے ان کے اسماء اس طرح ہے، مولانا رفیق احمد صاحب بڑوڈوی دامت برکاتہم، خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ، مولانا محمد حنیف لوہاروی جامعہ قاسمیہ کھروڈ کے شیخ الحدیث مولانا موصوف کو سب سے پہلے ہماری طرف متعارف کرانے والے حافظ صاحبؒ ہی تھے، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، قاری رشید اجمیریؒ، حضرت مفتی رشید احمد صاحب کتھرادا، حضرت مفتی رشید احمد صاحب کا بیان ہے کہ جیسے ہی رجب کا مہینہ شروع ہوتا حافظ صاحب مجھ سے کہتے کہ پندرہویں شعبان کا بیان تجھے ہماری مسجد میں کرنا ہے اور اس روز کا کھانا بھی ہمارے ساتھ کھانا ہے، حافظ قاسم کا بیان ہے کہ جس دن مفتی صاحب کا

بیان ہوتا اس دن صبح میں والد صاحب والدہ محترمہ کو کہہ دیتے کہ آج بالائی والا دودھ محفوظ رکھنا ہے اور پھر رات کو اس کا فالودہ تیار کر کے سب کو پلاتے تھے، نیز ہر سال جب مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں بچوں کا امتحان ہوتا تو اس دن ممتحن حضرات اور اساتذۂ مکتب کے ناشتہ کا انتظام بھی والد صاحب کی طرف سے ہی ہوتا تھا، نیز موسم گرما میں مکان کے سامنے ہی مدرسہ اسلامیہ کی چند درس گاہیں تھیں جس میں مولانا یوسف گارڈا، مولانا ابراہیم پٹیل، قاری عبدالعزیز ملا تدریسی خدمت انجام دیتے تھے ان کے لئے جب فریج نہیں تھا تو مٹکے کا ٹھنڈا پانی اور فریج آجانے کے بعد فریج کا ٹھنڈا پانی بڑے اہتمام سے بھیجتے تھے، نیز موسم گرما میں اپنے گھر سے لیموں کا شربت بنا کر ان اساتذۂ کرام کے لئے بھیجتے تھے، حافظ صاحب مرحوم نئی مسجد کے ساتھ جو درس گاہیں ہیں اس میں پڑھاتے تھے تو سنیچر کے دن مدرسہ کی چھٹی کے بعد بھائی میاں بھائی مرحوم کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر اپنے مکان پر لاتے اور شربت سے ان کی تواضع کرتے تھے۔

یتیم کی کفالت

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوی
یتیموں کا والی غلاموں کا مولا

(حالی مرحوم)

حافظ صاحب کے برادر نسبتی (بیوی کے بھائی) کا انتقال ہوگیا ان کے چار چھوٹے چھوٹے بچے تھے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا سب کم عمر تھے (یتیم تھے) حافظ صاحب ان کو اپنے مکان پر لے آئے اور ان کو اپنے ساتھ رکھا اور خوب اچھی پرورش کی، یتیم بچے (احمد) کو حافظ قرآن اور عالم دین بنایا اور تین لڑکیوں میں سے دو لڑکیوں کو عالمہ کا کورس مکمل کرایا، تقریباً گیارہ سال تک بلا کسی رقم (معاوضہ) لئے اپنے ساتھ رکھا، آج کے دور خود غرضی میں ایسی مثالیں بہت کم بلکہ بہت ہی کم دیکھنے کو ملتی ہے، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کی کفالت کے بڑے فضائل بیان کئے ہیں ان شاء اللہ مرحوم اور ان کی اہلیہ اور فیملی ان تمام کے مستحق ٹھہریں گے، اس سلسلہ کی تین احادیث ذکر کرتا ہوں۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كافل اليتيم له او لغيره انا وهو كهاتين فى الجنة، واشار مالک بالسبابة والوسطى (مسلم، احمد)

آقا کا ارشاد ہے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا اگر چہ وہ اس کا رشتہ دار ہو یا نہ

ہووہ اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے، راوی نے درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی ملا کر اشارہ کیا۔

عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قبض یتیما من بین المسلمین الی طعامہ وشرابہ ادخلہ اللہ الجنۃ الا ان یعمل ذنبا لا یغفر لہ (ترمذی، احمد)

آقا نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان یتیم بچے کی کھانے پینے کی کفالت کرے اللہ تعالیٰ ضرور اسے جنت میں داخل کرے گا سوائے اس کے کہ وہ کوئی ایسا گناہ کرے جس کی بخشش نہ ہو۔

عن ابی ھریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یحسن الیہ وشر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یساء الیہ (ابن ماجہ، طبرانی)

آقا نے ارشاد فرمایا مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ نیک سلوک کیا جاتا ہو، اور سب سے بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔

خاص اہتمام

مرحوم کا یہ بھی معمول رہا کہ نماز تراویح ہمیشہ سفید کپڑے زیب تن کر کے

پڑھائی، روزانہ نماز تراویح میں جانے سے قبل غسل کرتے تھے یہ معمول نوجوانی سے تھا، نیز جب کبھی آپ کو کوئی فرض نماز پڑھانی ہوتی تو اس وقت بھی مصلی پر کھڑے ہونے سے قبل غسل کرتے اور سفید کپڑے زیب تن کرتے تھے، رمضان المبارک کی آمد سے قبل ہی اس کی تیاری کرتے یعنی تین چار جوڑی کپڑے نکال لیتے، ویسے عام دنوں میں coloring کپڑے زیب تن کرتے تھے مگر نماز جمعہ کے لئے، امامت کراتے وقت اور ور نماز تراویح میں ہمیشہ سفید کپڑے ہی زیب تن کرتے تھے۔

دعوت

حافظ قاسم کا بیان ہے کہ والد مرحوم نے جب میرے پھوپھا کے ساتھ مل کر ٹرک خریدا تو برکۃ العصر حضرت مولانا محمد رضا اجمیری المعروف بہ شیخ اجمیریؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحبؒ کو لاجپور مدعو کیا تھا اور گاؤں کے تین سو افراد کو دعوت طعام دی تھی، پہلا سیل شیخین سے لگوایا تھا۔

ایک خاص نصیحت

جب اپنے بیٹوں کو ۱۹۸۷ء میں صوفی باغ میں حافظ قرآن ہونے کے لئے داخل کیا تو دو نئے قرآن کریم خرید کر لائے اور دونوں بچوں سے کہا کہ تمہیں اسی قرآن میں حفظ شروع بھی کرنا ہے اور مکمل بھی نیز حافظ ہو جانے کے بعد بھی تمہارے پاس یہ قرآن کریم رہنا چاہیئے، پھٹنا نہیں چاہیئے ورنہ تمہاری پٹائی

ہوگی، حافظ قاسم کا بیان ہے کہ اس وجہ سے ہم اپنا قرآن کریم کسی کو بیچ نہیں کرنے دیتے تھے کہ کہیں وہ پھٹ نہ جائے، جب رمضان المبارک کی تعطیل میں ہم گھر آتے تو ہم سے پوچھتے کہ تمہارا قرآن شریف کہاں ہے؟ اور فرماتے کہ چاہے دوسرے طلباء رمضان المبارک کی چھٹی میں اپنا قرآن شریف مدرسہ میں چھوڑ جائے تمہیں اپنا قرآن کریم تعطیل میں بھی اپنے ساتھ لے کر آنا ہے، ہم ایسا ہی کرتے کہ رمضان المبارک کی تعطیل میں بھی اپنا ذاتی قرآن اپنے ساتھ گھر لے آتے تھے، موصوف نے بتایا کہ دونوں بھائیوں نے اسی قرآن کریم میں جو والد صاحب نے دیا تھا حفظ کیا وہ قرآن کریم آج بھی ان کے پاس موجود ہے اور ماہ مبارک میں اسی قرآن میں ان کا تلاوت کا معمول ہے۔

ایک تمنا

رفیق مکرم نے بتایا کہ والد صاحب کی تمنا تھی کہ جب ہم حفظ مکمل کرلیں گے تو وہ ایک بڑا جلسہ کریں گے چنانچہ جب ہم حافظ قرآن ہوئے تو والد صاحب نے مسلسل چار جمعہ تک تقریر کا پروگرام رکھا تھا، اور ایک جلسہ بھی کیا تھا جس میں فیملی اور دوست احباب کی کھانے کی دعوت بھی کی تھی، مہمان خصوصی کے طور پر حضرت مولانا مفتی عارف حسن عثمانی آگرویؒ کو مدعو کیا تھا۔

آخری عمل

خدا کرے کبھی یہ آس بھی پوری ہو

شروع الحمد سے ہو کر والناس پوری ہو

حافظ صاحب کا بیان ہے کہ والد صاحب کا دنیا سے جاتے ہوئے آخری عمل قرآن کریم کی تلاوت تھا، الغرض! قرآن کریم سے بڑی محبت تھی، تلاوت قرآن، سماعت قرآن اور آداب قرآن کریم میں مرحوم اپنی مثال آپ تھے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ مرحوم واقع میں سچے عاشق قرآن تھے۔

تھے صوفی طبیعت اور نیک دل
رہا خدمت دین کا دورانیہ طویل
تھا بڑا نیک بخت خدا کا بندہ
ہے آج بھی یاد ان کی دلوں میں زندہ
سلام یہ رتبے سب کو ملتے نہیں ہے
اہل علم مر کے بھی مرتے نہیں ہے

(سلام لاجپوری)

(۸)

حضرت حافظ عبدالوھاب صاحب صوفی لاجپوری رحمہ اللہ

تدریسی خدمت

مرحوم شاہ صوفی سلیمان صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے پوتے تھے، شاہ صوفی سلیمان صاحب رحمہ اللہ نے متحدہ ہندوستان میں دار العلوم دیوبند کے قیام کے کچھ عرصہ بعد ہی لاجپور میں دار العلوم کی بنیاد رکھی تھی، حافظ عبد الوھاب کی پیدائش دس فروری ۱۹۰۲ء لاجپور میں مولانا احمد صوفی کے گھر پر ہوئی تھی، آپ کے والد صاحب نے لاجپور کے دار العلوم میں ۱۹۱۰ء تک تعلیم حاصل کی تھی بعدہ جامعہ ڈابھیل تشریف لے گئے تھے، حافظ صاحبؒ نے مکتب کی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی تھی اور حفظ قرآن کی سعادت بھی گاؤں کے مکتب ہی سے حاصل کی تھی، مدرسہ صوفیہ کا آغاز مولانا عبد السلام صوفی لاجپوری کے مکان سے ہوا تھا، اس کے مدرس اول حافظ صاحب موصوف ہی تھے، مدرسہ صوفیہ کے علاوہ آپ نے مدرسہ اسلامیہ میں بھی تدریسی خدمت انجام دی تھی، مزاج میں حد درجہ نرمی تھی، طلبہ کی پٹائی کے بالکل قائل نہیں تھے، قاعدۂ بغدادی کی جماعت آپ کے پاس ہوتی تھی۔

منصب امامت

اور یہ سعادت بھی مرحوم کو حاصل رہی کہ آپ نے گاؤں کی اس وقت کی تینوں مساجد یعنی جامع مسجد، مسجد ابوبکر (چھوٹی مسجد) اور مسجد عثمان (نئی مسجد) میں امامت کے فرائض انجام دیئے تھے، آپ ہی نے لاجپور کی مکتب کی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تدریسی خدمت انجام دی ہے، نیز امامت میں بھی شاید یہ سہرا آپ

ہی کے سر پر بندھتا ہے کہ آپ ہی نے گاؤں لاجپور میں سب سے طویل عرصہ امامت کے فرائض بھی انجام دیئے ہیں۔

اسفار اور انتقال

۱۹۸۲ء میں مرحوم نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی تھی، نیز حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب رحمہ اللہ کے معتقدین کی کراچی میں اچھی خاصی تعداد تھی انہوں نے حافظ صاحبؒ کو اپنے خرچہ پر کراچی مدعو کیا تھا آپ ان کی دعوت پر ۱۹۶۴ء میں کراچی تشریف لے گئے تھے، عمر کے آخری حصہ میں مرحوم کی صاحبزادی نے بار باڈوس بلالیا تھا، اور بار باڈوس ہی میں ۲۶ جولائی ۲۰۱۲ء کو مرحوم نے زندگی کا آخری سانس لیا یعنی دار فانی کو چھوڑ کر دار بقا کا رخ کیا، آپ کی کل عمر ۹۳ سال تھی (بروایت ڈاکٹر ابراہیم دادی بھائی دامت برکاتہم)

موت کسی کو بخشتی نہیں ہے
آگے اس کے کسی کی چلتی نہیں ہے
جب موت کا بلاوا آجاتا ہے
آدمی چھوڑ سب کو چلا جاتا ہے
سلام جانے والا تو چلا جاتا ہے
مگر اپنے چاہنے والوں کو رلا جاتا ہے

(سلام لاجپوری)

(۹)

حضرت قاری اسماعیل ڈابھلیا رحمہ اللہ، سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ لاجپور

تفصیلات

اسم۔(قاری)اسماعیل ڈابھیلیا۔

پیدائش۔ڈابھیل، گجرات،انڈیا۔

تاریخ پیدائش۔آٹھ ستمبر۱۹۴۴ء۔

بنیادی تعلیم۔گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم۔بارہ سال کی عمر میں جامعہ ڈابھیل میں داخلہ لیا۔

حافظ قرآن،قاریٔ قرآن اور درجہ عالیت کا مکمل کورس جامعہ سے پورا کیا۔

تدریس اول۔لاجپور سے قریب ایک بستی ہے"کچھولی،،وہاں آپ نے چار سال امامت اور مکتب کی تدریس کی۔

آمد لاجپور۔لاجپور کی جامع مسجد میں تین سال امامت کے فرائض انجام دیئے۔

آمد برطانیہ۔بعدہ برطانیہ تشریف لائے۔

دوبارہ لاجپور آمد۔وطن واپسی پر لاجپور جامع مسجد کی امامت ترک کردی اور گاؤں کی دوسری مسجد،مسجد عثمان(نئی مسجد)میں امامت کا آغاز کیا اور تقریباً ۲۳ سال وہاں پر امامت کے فرائض انجام دیئے،اور ساتھ مدرسہ اسلامیہ میں مکتب کی تدریس سے بھی منسلک رہے۔

انتقال۔۱۳شعبان ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۵جون ۱۹۹۵ء کو ظہر کی نماز کے بعد

اپنے مکان پر ہارٹ اٹیک ہوا اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

تدفین۔لاجپور کے قبرستان میں عمل میں آئی۔

گھڑی کا کام

مرحوم گھڑی repering کا کام بھی جانتے تھے،اس لئے فارغ اوقات میں اپنے گھر پر ہی گھڑی repering کا کام بھی کرتے تھے۔

ہر دلعزیز شخصیت

چھوٹے قد کے مالک تھے،سر پر اونچی اور لمبی ٹوپی پہنتے تھے،طبیعت میں مزاح تھا،چھوٹے بڑے سب سے گھل مل جاتے تھے،چہرے پر سدا مسکراہٹ تیرتی رہتی تھی۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

رفیق مکرم حافظ قاسم بلبلیا کا بیان ہے کہ لاجپور مدرسہ اسلامیہ میں جو بھی طالب علم ناظرہ قرآن کریم مکمل کرتا اور درجہ حفظ میں داخلہ کا خواہشمند ہوتا اس کا امتحان مرحوم لیتے تھے اور آپ ہی فیصلہ کرتے تھے کہ کون سا بچہ حفظ کر سکتا ہے اور کون نہیں ،عام طور سے بچے حفظ کے لئے سورت صوفی باغ کا رخ کرتے تھے،اس میں ہم چند ساتھی تھے وہ خود،مولانا عزیز الرحمٰن گام حافظ جی،آصف کولا،سلیمان پٹیل،اسلم بلبلیا،عبد السلام وغیرہ،مرحوم نے سب کا امتحان لیا اول عبد السلام کا امتحان لیا بعد امتحان اس سے کہا کہ تو حفظ میں نہیں چل سکتا،سلیمان

پٹیل کو بھی منع کیا کہ تو بھی حافظ نہیں بن سکتا، تیسرے نمبر پر میں تھا مجھ سے کہا کہ ہاں تو حافظ بنے گا، میرے علاوہ بھی جن جن سے یہ کہا تھا کہ تو حافظ ہو جائے گا وہ سب ماشاءاللہ حافظ قرآن ہوئے، اور جن کو منع کیا تھا وہ واقعی حافظ نہیں بن پائے۔

یونیک سواری

مرحوم نے ایک ایسی سواری لی تھی جو گاؤں میں اس وقت ان کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں تھی وہ سواری تھی mini rajdoot ایک تو عام راجدوت ہوتا تھا اور ایک اس کا چھوٹا ورجن mini rajdoot نکلا تھا، قاری صاحب کا قد چونکہ قدرے چھوٹا تھا شاید اس لئے آپ نے اپنے لئے اس سواری کا انتخاب کیا تھا، اور وہ سواری ان کو سوٹ بھی کرتی تھی۔

دونوں بیٹوں کو بھی حافظ قرآن بنایا

مرحوم نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی اپنی طرح ماشاءاللہ حافظ قرآن بنایا۔

آپ کے ایک شاگرد نے بتایا کہ مسجد کے مؤذن کریم چچا جو بھجیا اور جلیبی بیچتے تھے، قاری صاحب ان کو اپنی درس گاہ میں بلاتے اور ان سے بھجیا اور جلیبی خریدتے کریم چچا وہ خوانچہ قاری صاحب کے سامنے رکھ دیتے آپ ان میں سے جتنا کھانا ہوتا تناول فرماتے اور اس کے بعد درس گاہ کے درمیانی حصہ میں وہ خوانچہ رکھواتے اور طلباء سے کہتے کہ ''ٹلو،، یہ گجراتی لفظ ہے اصل لفظ ہے ''لوٹ،، یعنی لوٹو اسے الٹا بولتے طلباء آپ کی بولی سے واقف تھے وہ سب خوانچہ پر ٹوٹ

پڑتے، کریم چچا فرماتے کہ حضرت! یہ بچے میرا خوانچہ خراب کردیں گے، اس پر حضرت مرحوم مسکرا دیتے۔

موت سے نہ کوئی بچا ہے نہ بچے گا
ہر کوئی ایک روز موت کا جام چکھے گا
عالم ہو یا غیر عالم سب کو موت آنی ہے
سلام یہ جہاں جہان فانی ہے
جانے والا نہ صرف دنیا چھوڑ جاتا ہے
اپنے پیچھے ایک داستان چھوڑ جاتا ہے

(سلام لاجپوری)

(۱۰)

حضرت مولانا عبد الحئی کاسوجی لاجپوری رحمہ اللہ، سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ لاجپور

پیدائش

حضرت مولانا مرحوم اصلاً لاجپور کے باشندے تھے، لاجپور ہی میں ہجری اعتبار سے ۱۳۴۹ اور انگریزی اعتبار سے ۱۹۳۰ میں پیدا ہوئے، انتقال بھی لاجپور ہی میں ہجری اعتبار سے ۱۴۱۲ اور انگریزی اعتبار سے ۱۹۹۱ میں ہوا، تدفین لاجپور کے قبرستان میں جو جامع مسجد کے سامنے ہے عمل میں آئی،

تعلیم

بنیادی تعلیم لاجپور کے مدرسہ اسلامیہ میں حاصل کی، بعد کی تعلیم کے لئے ۱۳۵۹ھ میں از ہر گجرات جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ لیا، اور ۱۳۶۷ھ میں جامعہ سے دورۂ حدیث مکمل کیا، بخاری شریف حضرت مولانا یوسف بنوریؒ سے پڑھی، آپ کے دیگر اساتذہ میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا عبد القادرؒ، اور حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ تھے، آپ حافظ قرآن اور قاریٔ قرآن بھی تھے۔

اولاً جامعہ میں تین سال تدریسی خدمت انجام دی

فراغت کے بعد مادر علمی ڈابھیل میں بطور استاذ حفظ آپ کا تقرر عمل میں آیا، آپ نے جامعہ میں تین سال تدریسی خدمت انجام دی۔

تدریس

بعدہ مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں تقریباً ۲۷ سال مکتب کی تدریس

کی،حضرت مولانا عبد الحئی سیدات دامت برکاتہم المعروف بہ نادر لاجپوری تحریر فرماتے ہیں کہ مدرسہ اسلامیہ میں آپ نے صدر مدرسی کے فرائض بھی انجام دیئے آپ کے دور صدر مدرسی میں مدرسہ نے خوب علمی ترقی کی،تعلیم کے معاملے میں آپ بہت سخت تھے،بچوں اور والدین کی طرف سے تعلیمی معاملے میں سستی کوذرا بھی پسند نہیں کرتے تھے، میں نے ان سے کئی کتب پڑھی ہے جیسے اربعین مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ کی،توحید الاسلام،آمدن سی لفظی،چہل سبق،رہبر فارسی ،جب میں درجہ عالمیت میں داخلہ کے لئے جامعہ حسینیہ راندیر اپنے والد صاحب کے ساتھ پہنچا تو میرا داخلہ فارسی دوم میں ہوگیا،بندے کے والد مرحوم نے بھی حضرت رحمہ اللہ سے پڑھا تھا۔

مرحوم کثیر العیال تھے

مرحوم کثیر العیال تھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

”تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم الامم یوم القیامۃ،،

اکبرالہ آبادی مرحوم کا شعر ہے ۔

عاشقی جب قید شریعت میں آجاتی ہے
تو کثرت اولاد کا پھل دے جاتی ہے

ایک اہم ذمہ داری

آپ کے سپرد ایک اہم ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی وہ تھی نکاح خوانی کے

رجسٹرڈ کی ذمہ داری، آپ کی آواز بہت خوبصورت تھی، آپ شادی کا خطبہ بہترین انداز میں پڑھتے تھے۔

ایک مشکل فیصلہ

آپ اخیر میں بیمار رہنے لگے تھے، آپ کے پاؤں میں سخت درد رہتا تھا، اس بنا پر آپ نے خود مدرسہ سے الگ کرلیا تھا۔

نفاست

مولانا مرحوم اونچے قد کے مالک تھے، سر پر ہماری طرف جس کو نہرو کیپ بولا جاتا ہے ویسی ٹوپی سجاتے تھے، مزاج میں نفاست اور صاف ستھرائی تھی، کپڑے عمدہ اور صاف ستھرے زیب تن کرتے تھے، سفید اور colouring دونوں طرح کے کپڑے زیر استعمال رہتے تھے۔

بارعب شخصیت

جو بچے حافظ عبد الوھاب صوفیؒ کے پاس احسن القواعد ختم کرتے تھے ان کا داخلہ مولانا مرحوم کے پاس ہوتا تھا، مرحوم ناظرہ قرآن کریم بچوں کو پڑھاتے تھے اور بارعب شخصیت کے مالک تھے، غلطی، غیر حاضری اور مستی کرنے پر بچوں کی پٹائی بھی کرتے تھے، ان کے ایک شاگرد نے بتایا کہ سنیچر کو دوپہر میں مکتب ہوتا تھا اور پڑوس کی بستی سچین میں سنیچر بازار لگتا تھا بعض بچے سنیچر بازار گھومنے چلے جاتے تھے اور مدرسہ کی چھٹی کردیتے تھے، اتوار کو مدرسہ بند ہوتا تھا جب وہ طلباء پیر کو مدرسہ

آتے تو مرحوم ان کی پٹائی کرتے کہ بلا وجہ مدرسہ سے غیر حاضری کیوں کی ،اور جس بچے کو سبق یاد نہیں ہوتا تو اس سے کہتے کہ چل ہاتھ لا اور عام طور پر پٹائی ہاتھ پر ہی کرتے تھے،کلاس میں ایک بچہ تھا یوسف نامی وہ بڑا شریر تھا مولانا اسے کہتے کہ چل ہاتھ لا وہ یکے بعد دیگرے دونوں ہاتھ سامنے کر دیتا حضرت اس کی پٹائی کرتے مگر اسے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا،اس پر حضرت کو بھی تعجب ہوتا اور فرماتے کہ یہ عجیب اللہ کا بندہ ہے۔

آپ کی یہ بھی عادت تھی کہ کلاس میں چکر لگاتے ایک کونے سے دوسرے کونے تک دوران چکر تلاوت کرتے جاتے اور ساتھ بچے کو بھی حکم ہوتا کہ وہ سبق سنائے مگر توجہ بچے کی جانب ایسی ہوتی کہ وہ ذرا پڑنے میں چک کرتا ،غلطی کرتا تو مولانا اسے ٹوک دیتے۔

درس گاہ

درس گاہ نئی مسجد کے ساتھ جو ایک درس گاہ تھی کا سوجی کی نار(گلی) کی طرف کسی زمانے میں اس کے نچلے حصہ میں محمد بھائی کانداوالا کی دوکان بھی ہوا کرتی تھی ،اسی درس گاہ میں بعد میں مولانا سعید گارڈا صاحب دامت برکاتہم نے بھی پڑھایا تھا،مدرسہ کے قریب ہی کریم چچا کا مکان تھا وہ جلیبی ،بھجیا عمدہ بناتے تھے اور اسے قیمۃً بیچتے بھی تھے،حضرت مولانا اور دیگر دو تین اساتذہ کرام کریم چچا سے جو نئی مسجد کے مؤذن بھی تھے جلیبی ،بھجیا منگوا کر سب اساتذہ ساتھ بیٹھ کر کھاتے

تھے، عام طور پر مہینے کے آخر میں ایسا کرتے تھے۔

شاگرد استاذ کی مسند پر

مرحوم کو مدرسہ میں کسی وجہ سے غیر حاضری کرنی ہوتی تو اپنی جگہ پڑھانے کے لئے اپنے شاگرد جو حضرت کے ہم نام ہی تھے مولانا عبدالحئی سیدات کو بٹھا جاتے تھے، مہینہ کے اخیر میں جو تنخواہ ملتی اس میں سے اتنے دن کی تنخواہ جتنے دن مولانا عبدالحئی سیدات نے پڑھایا ہوتا اتنی رقم ان کو دیدیتے تھے۔

کسانی

مکتب کی تدریس کے علاوہ مرحوم کاشتکاری بھی کرتے تھے، ان کے ایک شاگرد نے بتایا کہ اتوار کے دن بعض طلباء کو وہ اپنے ساتھ کھیت پر help کے لئے اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

نشست

عمر کے آخری حصہ میں بندے نے ان کو دیکھا کہ فارغ اوقات میں اکثر مکان کے باہری حصہ یعنی کہ صحن میں بیٹھے رہتے تھے۔

دعا ہے اللہ تعالی حضرت مولانا کی تمامی دینی خدمات کو قبول و منظور فرمائے اور ان کے درجات کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، آمین

دارالعلوم دیوبند

متحدہ ہندوستان کی تقسیم کے بعد جامعہ عباسیہ بہاولپور، پاکستان میں ملک کے ماہر تعلیم اوراعلی افسران کا اجلاس ہورہاتھا،جس میں سید حسین چیف انجینئر بھی موجود تھے،سید حسین نے اس موقعہ پر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ تقسیم سے پہلے میں امریکہ گیا تھا، وہاں ایک ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا کہ اونچے درجہ کے دوامریکن آئے اور نشستیں سنبھالنے کے بعد انہوں نے ایک موضوع چھیڑ دیا جو بڑادلچسپ تھا،ان میں ایک بولا، کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں مذہب کا اثرورسوخ زیادہ ہے حتی کہ مشرق وسطی کے اسلامی ممالک بھی ہندوستان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

دوسرے نے جواب دیا مشرق وسطی جغرافیائی لحاظ سے یورپ کے قریب تر ہے،اس لئے یہاں یورپ کے اثرات زیادہ پہنچے ہیں،ہندوستان دور رہ جاتا ہے،نہیں یہ بات نہیں، ہندوستان مکمل طور پر برطانوی حکومت کے زیرتسلط ہے اوراس تسلط کوتقریباً ایک صدی کا عرصہ گذر چکا ہے،مگر پھر بھی فاتح قوم وہاں کے مسلمانوں سے مذہب کا دامن نہیں چھڑا سکتی، پہلے نے کہا، دوسرا بولا،شاید یہ بات ہوکہ ہندوستان ایک غریب ملک ہے اس لئے تہذیب تو وہاں قدم نہ جما سکی، یہ بات بھی نہیں، اولاً تو وہ اتنا غریب ملک نہیں ہےاوراگر واقعی غریب ہوتو غریب کو اپنی طرف مائل کرنا زیادہ آسان ہے، پہلے نے کہا،اس کے بعد پھر خود بولا، جہاں تک میں نے اس سلسلہ میں سوچا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان میں

دینی تعلیم کا ایک ادارہ ہے، جس کا نام دیوبند ہے، وہ تحریر وتقریر کے ذریعہ مذہبی تعلیم کی اشاعت کرر ہا ہے، اور وہی ادارہ وہاں پر مذہبی اقدار کی بقا کا ضامن ہے، اس موقعہ پر ان کے اس واقعہ کے سنانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ جامعہ عباسیہ کے ارباب حل وعقد کو توجہ دلانا چاہتے تھے کہ جامعہ کا نصاب بھی دیوبند کے طرز پر ترتیب دیا جائے تا کہ اصلی غرض یعنی دین کی نشر واشاعت کا بلند مقصد حاصل ہو سکے، نصاب تعلیم میں عصری تقاضوں کے نام پر غیر ضروری آمیزش اصلی مقصد کو فوت کر دیتی ہے (دینی مدارس کی ضرورت واہمیت ص ۲۵ تا ۲۷)

مئولف کی دیگر تالیفات

(۱)منتخب تقاریر۔جلداول(مطبوعہ)

(۲)مجالس خطیب الامت۔اول ودوم(مطبوعہ)

(۳)لطائف سورۂ یوسف۔اول ودوم(مطبوعہ)

(۴)ملفوظات خطیب الامت۔جلداول(مطبوعہ)

(۵)ارشادات خطیب الامت۔جلداول(مطبوعہ)

(۶)بچوں کے لئے احکام ومسائل(مطبوعہ)

(۷)مختصر تذکرہ وتعارف حضرت مولانا یعقوب اشرف صاحب راندیریؒ(مطبوعہ)

(۸)گلدستہ سعید یعنی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کا کچھ ذکر خیر(مطبوعہ)

(۹)حمد ونعت کا گلدستہ(مطبوعہ)

(۱۰)میرے محسنین یعنی میرے ان اساتذۂ کرام کا ذکر خیر جو اب اس دنیا میں نہیں ہے(مطبوعہ)

(۱۱)میرے والد مرحوم کا کچھ ذکر خیر(غیر مطبوعہ)

(۱۲)شخصیات(منظوم)(غیر مطبوعہ)

(۱۳)دل کے احساسات(غیر مطبوعہ)